بغداد سے مدینہ منورہ تک

احمد سعید ملیح آبادی

بغداد سے مدینہ منورہ تک

●

سن اشاعت	مئی ۱۹۹۸ء
تعداد اشاعت	دو ہزار
پبلشر	احمد سعید ملیح آبادی
پرنٹر	دی اعجاز پرنٹرز ۱۸، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ-۷۰۰۰۷۳
قیمت	۲۰ روپے
ملنے کا پتہ	روزنامہ آزاد ہند ۲۵، ایڈن ہاسپٹل روڈ، کلکتہ-۷۰۰۰۷۳

●

رفاہِ عامہ کی خاطر کتاب کی قیمت رعایتی رکھی گئی ہے۔

یہ کتاب

اپنی پچاس سالہ صحافی زندگی میں بہت سے ملکوں کے سفر کا موقع ملا اور کافی گھوم پھر کر دنیا دیکھ لی۔ ہر بیرونی سفر کے بعد اپنے اخبار ''آزاد ہند'' میں روداِد سفر بھی لکھی۔ دو سفر ایسے ہوئے جن کے سفرنامے اخبار میں قسط وار چھپنے کے بعد کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے۔ پہلی کتاب ''اللہ کے گھر میں'' تھی۔ ۱۹۷۰ء میں فرض حج ادا کرنے کے بعد سفرنامہ اخبار میں اور پھر کتاب میں شائع ہوا۔ اللہ نے اس کتاب کو قبول عام بخشا اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ عازمین حج کیلئے یہ معلوماتی اور دلچسپ ثابت ہوئی پھر ۱۹۸۶ء میں اپنی والدہ مرحومہ کا حج بدل کیا تب بھی ''آزاد ہند'' میں سفرنامۂ حج شائع ہوا۔ اسے اپنی کتاب میں ملا کر دوسرا ایڈیشن چھاپنے کی تیاری کر لی تھی، کتابت بھی ہوگئی تھی مگر دوسرا ایڈیشن چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس کتاب کی مانگ آج بھی باقی ہے۔

میری دوسری کتاب ''آج کا پاکستان'' تھی۔ فروری ۱۹۷۴ء میں لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے بلائی تھی۔ اس وقت ہندستان اور پاکستان میں آمدورفت بالکل بند تھی۔ ۱۹۷۱ء کی ہند۔ پاک جنگ کے بعد سفارتی رشتے بھی ٹوٹ گئے تھے۔ ڈاک، تار، ٹیلیفون سب سلسلے منقطع تھے۔ پاکستان کے ایک لاکھ جنگی قیدی ہندستان کے قبضے میں تھے اور ان کی واپسی اٹاری۔ واگہ سرحدی چوکی سے آہستہ آہستہ قسط وار ہو رہی

تھی۔ لاہور اسلامی چوٹی کانفرنس میں ہندستان سے صرف مجھے جانے کا موقع ملا۔ یہ تاریخی کانفرنس تین دن چلی۔ اسی موقع پر پاکستان نے اپنے ٹوٹے ہوئے بازو مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کے نام سے تسلیم کیا اور شیخ مجیب الرحمٰن کو منا کر ڈھاکہ سے لاہور لایا گیا۔ کانفرنس ختم ہونے پر حکومت پاکستان نے غیر ملکی صحافیوں کو پاکستان میں گھومنے پھرنے کی دعوت دی۔ میں نے بھی دور دور تک پاکستان کو دیکھا، اہم پاکستانی لیڈروں سے انٹرویو لئے۔ یہ سفرنامہ پہلے تو "آزاد ہند" میں شائع ہوتا رہا پھر کتابی صورت میں شائع ہوا۔ "آج کا پاکستان" کو یوپی اردو اکیڈمی نے اوّل ایوارڈ دیا تھا۔ پاکستان کے حالات و واقعات پر اس کتاب میں کافی معلومات جمع ہو گئیں خاص کر تحریک بنگلہ دیش اور اس کے نتیجے میں ہند۔ پاک جنگ کے متعلق اہم فوجی دستاویزیں مہیا کی گئیں اور ایک طرح سے اردو میں یہ ریفرنس بک بن گئی۔

اور اب یہ تیسری کتاب ہے جو تین عرب ملکوں اردن، عراق اور سعودی عرب کا سفرنامہ ہے۔ یہ سفر دسمبر ۱۹۹۷ء میں ہوا اور جنوری ۱۹۹۸ء میں سفرنامہ قسط وار "آزاد ہند" میں شائع ہوا۔ جناب کلیم الدین شمس، وزیر خوراک و سپلائی حکومت مغربی بنگال، ہم سفر تھے۔ ان کی تجویز ہوئی کہ اس سفرنامہ کو بھی کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ اس خیال سے سفرنامہ پر نظرثانی کی اور جابجا ضروری معلومات کا اضافہ کیا۔ اس طرح یہ داستانِ سفر طویل بھی ہو گئی اور بعض تاریخی واقعات کا وزن بھی اس میں بڑھ گیا۔

اس وقت عراق دنیا کا مرکز توجہ ہے۔ ہم ایسے وقت عراق کے دورے پر گئے جب اس کے مطلع پر ایک اور خوفناک جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے۔ ہمارے دورۂ عراق کے دو مقصد تھے۔ اوّل مقصد تو عراق کے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرنا تھا اور دوسرا مقصد عراق کے مظلوم و مجبور

عوام کے علاج و معالجے کیلئے ضروری دوائیں پہنچانا تھا۔ اگست ۱۹۹۰ء سے جب عراق نے کویت پر قبضہ کیا تھا، اقوام متحدہ کی جانب سے اقتصادی ناکہ بندی کے سبب عراقی عوام کی حالت انتہائی خراب و خستہ ہو گئی ہے۔ اسپتالوں میں دوائیں عنقا ہیں اور مریض علاج کے بغیر مر رہے ہیں۔ دواؤں کا ایک بھاری بوجھ ہم لے گئے اور حکومت عراق کے حوالے کیا۔

منزل مقصود تو مکہ معظمہ تھی۔ ہم عمرہ کرنے جا رہے تھے۔ ارض مقدس جانے سے پہلے اردن کے راستے عراق گئے۔ اس طرح اردن، عراق اور سعودی عرب، تین ملکوں کا طوفانی دورہ ہو گیا۔ اس مبارک سفر میں ہمارے جو مشاہدات اور تاثرات ہوئے وہ اس کتاب میں درج ہیں۔ سفر میں آدمی بہت کچھ سیکھتا ہے، نئے نئے تجربوں سے گزرتا ہے، نگاہ کشادہ ہوتی ہے اور معلومات بڑھتی ہیں۔ ۱۹۹۱ء کی جنگِ عراق کے بعد شاید میں پہلا اردو صحافی ہوں جسے عراق جانے اور اسے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ بغداد میں چند دن کے مختصر قیام میں جو کچھ دیکھا، سنا اور جانا اس کی یہ روداد ہے۔ زیادہ دن وہاں رہتے اور زیادہ اسٹڈی کرنے کا موقع ملتا تو اور بھی بہت کچھ تفصیل مل سکتی تھی۔ سفر نامے، تاریخ کا بیان نہیں ہوتے وہ تو کسی ملک میں سیاح کی فقط سیر ہوتی ہے۔ ہاں، وقت گزرنے کے ساتھ سیاح کا سفر نامہ، تاریخ کا ایک حصہ بن جاتا ہے جب مستقبل کا مورخ اس پر نظر ڈالتا ہے۔ آج کی یہ داستانِ سفر، کل کی تاریخ ہے۔

احمد سعید ملیح آبادی
کلکتہ، ۱۵ر مئی ۱۹۹۸ء

زیارت بغداد شریف اور عمرہ

اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے اس گنہگار اور ناچیز بندے کو ہر طرح سے نوازا اور دین و دنیا کی سعادتوں سے بہرہ ور کیا۔ میں اپنے رب کا جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ یہ اسی کی عطا و بخشش ہے کہ دو مرتبہ پہلے بھی حج اور عمرہ کی نعمت حاصل ہوئی تھی اور اب ایک مرتبہ پھر دسمبر ۹۷ء میں ربِ کعبہ کے حکم سے عمرہ کرنے مکہ مکرمہ میں اور دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنے کی توفیق ہوئی۔ اسی کے ساتھ بغداد شریف جانے اور وہاں کی زیارت گاہوں پر بھی حاضری نصیب ہوئی۔

ایک زمانے سے بغداد جانے کی تمنا تھی۔ غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر اور کربلائے معلٰی و نجف اشرف میں نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؓ اور ان کے والد ماجد شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے روضوں پر جانے اور نذر عقیدت پیش کرنے کا اشتیاق تھا۔ اللہ نے یہ ارمان پورا کر دیا۔ بغداد شریف میں اپنے مختصر قیام میں اہل بیت اور جلیل القدر اصحابِ رسولؐ رضوان اللہ اجمعین اور دیگر بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضری ہوئی۔

اللہ کا کرم ہے کہ اپنے بندوں کی خدمت کا کام اس عاصی سے لیتا ہے۔

عمرہ کیلئے جاتے ہوئے سفر بغداد کا ارادہ کیا تو خیال ہوا کہ عراق کے مظلوموں کیلئے اور کچھ نہیں تو اپنے ساتھ ضروری دواؤں کی سوغات لے جائیں۔ اللہ نے اس کا بھی جلد بندوبست کر دیا اور ایک بھاری کھیپ دواؤں کی مہیا ہو گئی جسے بغداد میں عراقی حکام تک پہنچا دیا۔

اسرائیل کے سرپرست اور مربی امریکہ اور دوسرے مغربی سامراجیوں کی جارحیت کے نتیجے میں عراق کو بے حساب ہلاکت اور تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا ہے اور سات برس سے اقتصادی ناکہ بندی کی وجہ سے عراقی عوام غذا اور دوا کیلئے پریشان ہیں۔ سب سے زیادہ مصیبت میں بچے اور خواتین ہیں۔ ان آنکھوں نے عراق میں سامراجیوں کے ظلم وستم کی جو درد ناک تصویر دیکھی اس سے عراق پر ہلاکو خاں کے حملے اور تباہ کاری کی یاد تازہ ہو گئی۔

عراق ایسا مسلم ملک ہے جس کا شمار ایک اسلامی مرکز کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اسلامی علوم، تمدن اور ثقافت کا صدیوں یہ مرکز رہا اور آج بھی اس کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔ عراق میں چپے چپے پر اسلامی آثار اور مقاماتِ مقدسہ موجود ہیں جو مسلمانانِ عالم کیلئے انتہائی عقیدت واحترام کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس اسلامی مرکز کو کئی سو برس پہلے ہلاکو خاں نے جلا کر خاکستر کیا تھا۔ بیسویں صدی میں اسی طرح سامراجیوں کے سرغنہ امریکہ نے صیہونی سازش کے تحت عراق کو تاخت و تاراج کیا۔ مسلمانوں کا قبلۂ اوّل بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ پر اسرائیلی درندوں کا قبضہ ہو چکا ہے، اب عراق نشانے پر ہے۔ امریکہ نے ۱۹۹۱ء میں عراق پر جو قیامت خیز حملہ کیا تھا اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ امریکہ ہر دم خلیج کے علاقے میں اپنی سپر ملٹری فورس کے ساتھ تیار کھڑا ہے اور بہانے کی تلاش میں ہے کہ عراق پر ٹوٹ پڑے۔ صدر صدام حسین کی قیادت میں عراق کے مجاہدین اپنی قوت ایمانی سے

امریکی یلغار کا مردانہ وار مقابلہ کر چکے ہیں۔ عراق کا بچہ بچہ مادر وطن کی حفاظت اور اسلام کے تحفظ کیلئے سر سے کفن باندھے ہوئے ہے۔ ہر ابتلا و آزمائش ان کی قوتِ مزاحمت کو اور زیادہ مضبوط بناتی ہے۔

مکہ ۔ مدینہ ۔ بغداد اور بیت المقدس، اسلامی مرکز کے یہ چار ستون ہیں۔ بیت المقدس ہم جا نہیں سکے اس کا قلق ہے لیکن اردن کے دارالحکومت عمان ہوتے ہوئے بغداد اور پھر مکہ و مدینہ کا کلکتہ سے ہزاروں کیلو میٹر کا طوفانی سفر بخیر و خوبی گزرا۔ فَالْحَمْدُلِلّٰہ رَبُّ العَالَمِیْنَ.

اس مبارک سفر کی خاص بات یہ ہے کہ ہمراہیوں میں ایک شناسا جمشید علی ملاّ کے علاوہ مدیر اخبار "آزاد ہند" احمد سعید ملیح آبادی بھی تھے۔ اپنی صحافتی مصروفیتوں کی وجہ سے وہ بمشکل اس سفر کیلئے وقت نکال سکے۔ عراق کے سفر میں مقصد تھا مڈیکل مشن اور زیارت، مکہ میں عمرہ اور مدینہ میں دربار نبویؐ میں حاضری۔ ایسے اہم سفر میں ایک جہاں دیدہ صحافی ساتھ ہو تو سفر اچھا اور معلوماتی گزرتا ہے۔ سعید صاحب نے ہر جگہ اپنی معلومات سے رہنمائی کی۔ میرے اصرار پر انہوں نے خاطر دوستاں میں سفر کیلئے وقت نکالا، اس کیلئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ میری فرمائش پر اپنے قسط وار سفر نامے کو جو ماہ رمضان المبارک میں "آزاد ہند" میں چھپتا رہا، کتابی شکل میں شائع کرنے کی ذمہ داری قبول کی اور اس میں مزید اضافے کر کے اسے ایک مفید کتاب بنایا۔

اپنی پارٹی فارورڈ بلاک کے لیڈر شری اشوک گھوش کا ذکر بھی ضروری ہے جن کی حوصلہ افزائی سے دواؤں کی ایک بڑی مقدار مہیا کر کے عراق کیلئے مڈیکل مشن تیار کیا گیا۔ اس سلسلے میں ہمارے محترم رہنما شری اشوک گھوش نے جو کوشش اور مدد کی وہ قابلِ قدر ہے اور نیتاجی سبھاش چندر بوس کی

پارٹی فارورڈ بلاک کی روایات کے عین مطابق ہے۔ نیتا جی نے اپنے ملک کی آزادی کیلئے جان کی بازی لگا دی اور اپنے وقت کی سب سے بڑی اور ظالم سامراجی طاقت برطانیہ کا مقابلہ کیا تھا۔ آج عراق کے عوام صدر صدام حسین کی قیادت میں اپنے ملک کی آزادی بچانے اور قوم کی سربلندی کیلئے امریکہ جیسی سُپر سامراجی طاقت سے لوہا لے رہے ہیں۔ عراقی عوام کے جذبہ حریت و سرفروشی کو ہم بصد احترام و خلوص سلام کرتے ہیں۔ ہماری پارٹی فارورڈ بلاک کی جانب سے دواؤں کا ناچیز ہدیہ عراقی عوام کیلئے ہمارے اسی جذبہ کا مظہر تھا، اور اس بات کو شری اشوک گھوش نے کلکتہ میں ۱۹ر دسمبر ۹۷ء کو ہماری روانگی کے دن پریس کانفرنس میں بخوبی اجاگر کیا۔

کتابی صورت میں یہ سفر نامہ اس امید کے ساتھ پیش ہے کہ اس کے پڑھنے سے بہتوں کا بھلا ہوگا، خاص کر نئی نسل کے نوجوانوں کو اسلامی مرکزوں کے ماضی و حال سے ایک گونا واقفیت ہوگی اور ان کی معلومات بڑھے گی۔ اس داستان کے بیان کا بنیادی مقصد نوجوانوں کے اندر معرکہ حق و باطل کو سمجھنے اور ایمان کی حرارت تازہ کرنے سے ہے۔ مولانا محمد علی جوہر کے اس مشہور و معروف شعر کے مفہوم کا صحیح اندازہ کربلائے معلّٰی میں مرقد حسینؓ پر پہنچ کر ہوتا ہے۔

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

خادم قوم و ملت
کلیم الدین شمس
۶-اے، مولانا محمد علی روڈ، خضر پور۔ کلکتہ۔ ۷۰۰۰۲۳

عراق اور سعودی عرب کا نقشہ
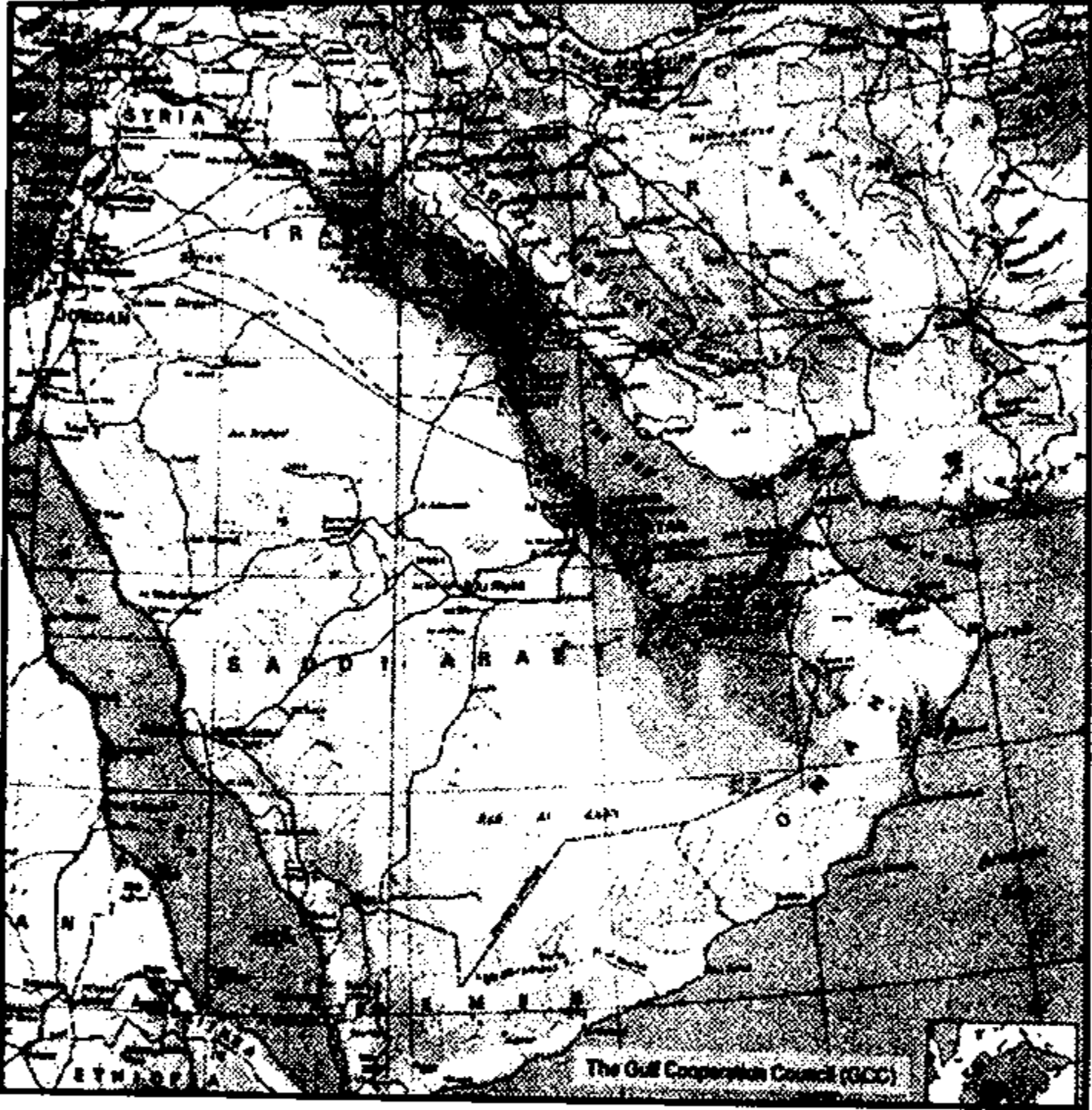
چھ ممالک کی سرحدیں عراق سے ملتی ہیں۔
سعودی عرب، کویت، شام، اردن، ایران اور ترکی

باب - ۱

بغداد سے مدینہ منوّرہ تک

مغربی ایشیا کے تین ملکوں کا ہزاروں کیلو میٹر کا سفر ۱۲ دن میں (۲۰ر دسمبر سے ۳۱ر دسمبر تک) طے کرنا بہت تھکا دینے والا تھا۔ اردن، عراق اور سعودی عرب کا سفر اس لحاظ سے نہایت اہم اور مبارک تھا کہ تاریخی اور مذہبی حیثیت کے ان اہم ترین ممالک میں جانے اور مقامات مقدسہ پر حاضری کا موقع نصیب ہوا۔ نئے سال کے پہلے دن یکم جنوری ۱۹۹۸ء کو علی الصبح عمان سے کلکتہ واپسی ہوئی۔ ۱۹۹۷ء میں ہمارا سفر شروع ہوا تھا اور دوسرے سال ۱۹۹۸ء میں ختم ہوا۔

مغربی بنگال کے وزیر خوراک اور سپلائی جناب کلیم الدین شمس کافی عرصہ سے اصرار کر رہے تھے کہ عمرہ کرنے چلیں۔ ۱۹۹۶ء میں انہوں نے اسمبلی الیکشن کیلئے کلکتہ کا شہری حلقہ انتخاب کوی تیر تھ (خضر پور) چھوڑ کر ضلع بیر بھوم کا ایک دیہی اور خالص بنگالی حلقہ نل ہٹی انتخاب کیا تھا۔ اپنی دشوار ترین انتخابی مہم سر کرنے کے دوران انہوں نے منت مانی تھی کہ الیکشن سے چھٹی کرکے عمرہ کرنے جائیں گے۔ اللہ نے انہیں بھاری اکثریت (۱۶ ہزار ووٹوں) سے ایک اجنبی اور دور افتادہ حلقہ سے کامیاب بنایا۔ پچھلی وزارت میں زرعی مارکٹنگ کے وزیر تھے، نئی وزارت میں بہت بڑی اور اہم وزارت۔خوراک اور سپلائی ملی۔ عمرہ کی برکت سے کلیم صاحب کو ہاتھ کے ہاتھ ایک اور بڑا انعام ملا۔ ڈیڑھ سال سے ان کے خلاف انتخابی عذر داری کا مقدمہ کلکتہ ہائی کورٹ میں چل رہا تھا۔ عمرہ کر کے واپس آتے

ہی خوشخبری ملی کہ ۷؍ جنوری ۱۹۹۸ء کو عدالت سے مقدمہ خارج ہو گیا۔

عمرہ کرنے ساتھ چلنے کیلئے کلیم صاحب کا اصرار جاری تھا۔ جتنی دیر ہو رہی تھی ان کی بے صبری بڑھتی جارہی تھی۔ میں ٹال مٹول کر رہا تھا۔ اللہ کے فضل و کرم سے چار بار حج و عمرہ کی سعادت پہلے نصیب ہو چکی تھی۔ اپنا پہلا فرض حج میں نے اور میری بیوی نے ۱۹۷۰ء میں کیا تھا۔ ۱۹۸۵ء میں والدہ کا انتقال ہوا تو ان کا حج بدل کرنے کیلئے رختِ سفر باندھا۔ ساتھ میں بہن، بہنوئی (حافظ نور احمد خاں) اور بیوی کو بھی لیا۔ اس دوسرے حج کے سات سال بعد ۱۹۹۳ء میں ہندستان کے حج خیر سگالی وفد میں نام آگیا۔ ۱۹۸۹ء میں میں نے عمرہ کرنے کی منت مانی تھی مگر ملک کے طوفانی حالات کی وجہ سے تاخیر ہوتی جارہی تھی جس سے میں بہت پریشان تھا۔ پھر اللہ کا حکم ہو گیا اور ۱۹۹۳ء میں حج خیر سگالی ڈیلی گیشن میں جانے کا موقع مل گیا۔ اپنا عمرہ کیا اور والد مرحوم مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کیلئے حج بدل ادا کیا۔

خوش قسمتی سے ۱۹۹۷ء میں پھر رب کعبہ کا حکم بیت اللہ میں حاضری کا ہوا اور حج خیر سگالی وفد میں ایک مرتبہ پھر جانے کا موقع میسر ہوا۔ اس دفعہ میں نے اپنی مرحومہ کھلائی کیلئے حج بدل کیا۔ وہ جوانی میں بیوہ ہو کر ہمارے گھر آئیں تو مر کر ہی نکلیں۔ انہیں ہم بھائی بہن بوا کہتے تھے وہ ہمارے لئے ماں کی طرح شفیق اور عزیز تھیں، حج بدل کر کے ان کا ایک حق ادا کیا۔ اسی حج کے دوران منیٰ میں آگ لگنے کا سانحہ ہوا جس میں حجاج کرام کے ستر ہزار خیمے جل گئے اور ان کے ساتھ سیکڑوں حجاج بھی جل کر ہلاک و زخمی ہوئے۔ اس دلدوز سانحہ کا دل و ماغ پر ایسا شدید اثر تھا کہ واپسی پر ایک ماہ سے زائد عرصہ تک اپنے کو ذہنی طور پر بیمار محسوس کرتا رہا۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ دنیا سے جی اچاٹ ہو گیا تھا۔ کلیم الدین شمس صاحب کو شکایت ہو گئی کہ وہ عمرہ کرنے جانے کیلئے کہتے رہے تو میں ٹالتا رہا اور حج ڈیلی

کیشن میں بلاوا ہوا تو فوراً روانہ ہو گیا۔ ان کی شکایت حق بجانب تھی مگر یہ دل کا سودا ہے جو بندہ اور اس کے رب کے بیچ ہوتا ہے۔ رب کعبہ کے حکم کے بغیر کوئی اس کے گھر حاضر نہیں ہو سکتا اور بلاوا آجائے تو نہ جانا کفرانِ نعمت ہے۔ بہر حال دوست کی دلداری بھی مقصود تھی میں نے حامی بھر لی کہ اچھا، بسم اللہ! چلتے ہیں۔

عراق کیلئے میڈیکل ریلیف

کلیم صاحب نے عمرہ کے سفر کیلئے تیاری شروع کر دی۔ پھر انہیں خیال آیا کہ اس مقدس سفر کے دوران کیوں نہ عراق بھی جائیں اور وہاں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار، کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف وغیرہ کی زیارت کریں۔ یہ خیال ابھی مستحکم نہیں ہوا تھا کہ عراق کی ناکہ بندی سے پیدا شدہ المناک حالات کی پریشان کن خبریں آنے لگیں۔ امریکہ نے عراق پر ایک اور حملہ کرنے کیلئے اپنی فوجیں لگانے کا کام شروع کر دیا۔ سات سال کی اقتصادی ناکہ بندی سے عراقی عوام کے مصائب و آلام کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ عراق کے دردناک حالات و واقعات کی نئے سرے سے تشہیر ہوئی اور عراق ایک مرتبہ پھر عالمی توجہ کا مرکز بنا تو آل انڈیا فارورڈ بلاک کی ریاستی شاخ مغربی بنگال کے سکریٹری شری اشوک گھوش نے شمس صاحب پر زور دیا کہ عراق ضرور جاؤ مگر خالی ہاتھ نہیں، اپنے ساتھ دوائیں اور سرجیکل سامان بھی لے جاؤ اور حکومت عراق کے حوالے کرو تاکہ عراقی عوام کے علاج و معالجے میں کام آئے جہاں اسپتالوں میں مریض تو کثرت سے ہیں لیکن دوائیں نہ ہونے سے کم ہی مریض زندہ واپس ہوتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق عراق کے اسپتالوں میں دوا علاج کی قلت و نایابی کے سبب ۲۵۰ بچے یومیہ ہلاک ہونے کا اوسط ہے۔ بڑی عمر والوں کی شرح اموات الگ ہے۔

ترکوں اور عربوں سے ہمدردی

ہندستانی مسلمانوں نے اور دوسرے برادرانِ وطن نے مشکل حالات میں اکثر ترکوں اور عربوں کی دامے درمے، سخنے مدد کی ہے۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہونے سے پہلے برطانیہ نے جو اپنے وقت کی سب سے بڑی سامراجی طاقت تھی، اور ہندستان جیسے عظیم ملک کو غلام بنائے ہوئے تھی۔ اس نے ترکوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کردی تھی۔ ترکی میں خلافت عثمانیہ تھی جسے ساری دنیا کے مسلمان مانتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں طرابلس پر حملہ ہوا اور ترکوں سے برطانیہ کی لڑائی چھڑ گئی۔ مسلمانانِ ہند کیلئے یہ حق و باطل کی جنگ تھی۔ اسے انہوں نے جہاد قرار دیا۔ ہندستان کے دو عظیم مسلم صحافی اور رہنما مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام آزاد میدان میں آگئے اور ملک بھر میں جلسے کر کے برطانوی سامراج کے خلاف عوام کے جذبات بیدار کرنے لگے اور مظلوم ترکوں کی مدد کے لئے چندہ جمع کر کے حتی المقدور مالی مدد پہنچائی۔ ترک مجاہدین کے علاج معالجے کیلئے ایک طبی وفد ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی قیادت میں ترکی روانہ کیا گیا۔ اس وفد کا اہتمام مولانا محمد علی نے کیا تھا۔ انہوں نے اپنے اردو اخبار "ہمدرد" اور انگریزی اخبار "کامریڈ" کے ذریعہ دردمندانہ اپیلوں سے ۲/ لاکھ روپیہ جمع کر کے ۳۰ رکنی طبی وفد روانہ کیا جس میں ڈاکٹر انصاری کے علاوہ شعیب قریشی، عبدالرحمٰن صدیقی، عبدالعزیز انصاری اور چودھری خلیق الزماں وغیرہ تھے۔ طبی وفد نے استنبول میں انور پاشا سے ملاقات کی اور ترکوں کیلئے اپنی خدمات پیش کیں۔ ۴/ جولائی ۱۹۱۳ء کو وفد ہندستان واپس آگیا۔

اس کے بعد بھی ترکوں کی مالی و اخلاقی مدد کا سلسلہ جاری رہا۔ جولائی ۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کا مشہور عالم رسالہ "الہلال" منظر عام پر

آ گیا اور "الہلال" نے ملک میں بیداری کی نئی لہر دوڑا دی۔ ترکوں کی حمایت میں مولانا آزاد نے ۳ر فروری ۱۹۱۳ء کو کلکتہ ہالیڈے اسٹریٹ کے میدان میں پبلک جلسہ کر کے حاضرین سے امداد کی اپیل کی تو لوگوں نے اپنی جیبیں خالی کر دیں۔ پیسوں، اکنیوں اور دونیوں سے تقریباً تیس ہزار روپے کی رقم فراہم ہوئی۔ والینٹروں کا گروہ جلسے کے بعد راستوں سے گزرا تو مکانوں کی کھڑکیوں سے عورتوں نے اپنے زیور پھینکنے شروع کر دیئے جلسہ میں نہایت کثرت سے لوگوں نے اپنی گھڑیاں، انگوٹھیاں اور کپڑے اتار کر دے دیئے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے گاڑی اور گھوڑا بھی پیش کر دیا۔ (الہلال ۵ر فروری ۱۹۱۳ء)

ترکوں کی امداد کیلئے عوامی چندے کی یہ دوسری مہم تھی اور اس کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رہا۔ مالی امداد مسلمانان ہند کی جانب سے ترکوں کو برابر جاتی رہی۔

پہلی جنگ عظیم (۱۸ - ۱۹۱۴ء) میں ترکی، جرمنی کے ساتھ تھا اور جرمنی کی شکست کے بعد برطانیہ اور یورپ کے اتحادیوں نے ترک سلطنت ختم کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں۔ برطانیہ نے عراق پر ۱۹۱۸ء میں قبضہ کر لیا جو ۱۹۲۰ء تک جاری رہا۔ اسی دوران برطانیہ نے یونان کو اجازت دے دی کہ ترک علاقہ سمرنا پر قبضہ کر لے۔ ۱۹ر مئی ۱۹۱۹ء کو یونانی فوج سمرنا میں اتر گئی۔ ترک افواج کے سپہ سالار مصطفےٰ کمال پاشا نے یونانی فوجوں کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی۔ یونان نے مارچ ۱۹۲۱ء میں اناطولیہ پر حملہ کیا۔ یہ حملہ بغداد ریلوے پر قبضہ کرنے کے ارادے سے کیا گیا تھا۔ یونانیوں کو مصطفےٰ کمال پاشا نے ایک مرتبہ پھر زبردست شکست دی۔ تیسرا حملہ یونان نے جون ۱۹۲۱ء کو کیا، اسے بھی ترکوں نے پسپا کر دیا۔

جنگ طرابلس اور بلقان کی طرح مسلمانان ہند ایک مرتبہ پھر مولانا آزاد کی پکار پر اٹھے۔ اس وقت ہندستان میں تحریک خلافت کا طوفان اٹھا ہوا

تھا جس کی قیادت مولانا محمد علی، شوکت علی اور مولانا آزاد کر رہے تھے۔ مولانا آزاد کے رسالے "الہلال" اور "البلاغ" جنگ عظیم کے دوران بند ہو چکے تھے اور مولانا ۱۹۱۶ء میں رانچی میں نظر بند کر دیئے گئے تھے جہاں سے وہ جنوری ۱۹۲۰ء میں کلکتہ آئے اور مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کو جو مصر میں چار سال تعلیم حاصل کر کے واپس آئے تھے، اپنا رفیق کار بنا کر ان کی ادارت میں ہفتہ وار "پیغام" جاری کیا۔ مولانا ملیح آبادی طالب علمی کے دنوں میں مصر میں برطانیہ مخالف اپنی سرگرمیوں کیلئے شہرت پا چکے تھے اور اسی جذبہ حریت کے تحت برطانوی چھاؤنی میں جا کر ہندستانی فوجیوں میں پمفلٹ بانٹتے تھے کہ انگریزوں کیلئے لڑ کر اپنی جان مت دو، اپنے وطن کی آزادی کیلئے لڑو۔ ہندستان میں تحریک تحفظ خلافت اور مولانا آزاد کے پرچے "پیغام" کا اجرا ہوا۔ یہ زمانہ سمرنا اور اناطولیہ پر یونانیوں کے حملوں کا تھا۔ مرکزی خلافت کمیٹی کے تحت پچاس لاکھ روپیہ کا "انگورہ فنڈ" جمع کرنے کی مہم ہفتہ وار "پیغام" کے ذریعہ شروع ہوئی۔

۲۸/اکتوبر ۱۹۲۱ء کے "پیغام" (کلکتہ) میں پہلے صفحہ پر جلی حروف میں درج ذیل اعلان شائع ہوا:

"یا قومنا! اَجیبو اداعی اللہ! — انگورہ فنڈ خزینۂ اعانۂ دولت اسلامیہ انگورہ و مجاہدین اسلام کا افتتاح — حضرت غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی خدمت میں براہ راست مسلمانان ہند کی پیشکش — کم از کم پچاس لاکھ روپیہ آخر دسمبر تک فراہم ہونا چاہیئے۔ جس راہ میں جان تک قربان کر دینی تھی اس کیلئے صرف روپیہ کی قربانی! .... مرکزی خلافت کمیٹی نے روپیہ انگورہ بھیجنے کا قابل اطمینان انتظام کر لیا ہے۔ روپیہ براہ راست جائے گا۔ دس دس ہزار پاؤنڈ کی قسطیں برابر روانہ ہوتی رہیں گی۔ روپیہ براہ راست مرکزی دفتر میں بھیجا جائے یا مقامی

خلافت کمیٹی کے حوالے کیا جائے۔"

ترکوں کی اعانت کیلئے یہ تیسرا پبلک فنڈ تھا۔ اور اب عراق کے مصیبت زدہ مظلوم عوام کیلئے جن کا سات برس (اگست ۱۹۹۰ء) سے اقتصادی محاصرہ امریکہ اور اس کے حواریوں نے کر رکھا ہے، طبّی مدد پہنچانے کیلئے نیتاجی سبھاش چندر بوس کی پارٹی فارورڈ بلاک نے کلیم الدین شمس کی قیادت میں میڈیکل ریلیف مشن، دوائیں لے کر عراق بھیجنے کا فیصلہ کیا اور پارٹی کے سکریٹری شری اشوک گھوش نے دواؤں کا بندوبست کیا۔

تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں مولانا محمد علی اور مولانا آزاد کی تحریک پر ترکوں کیلئے میڈیکل مشن ڈاکٹر انصاری لے گئے تھے اور دسمبر ۱۹۹۷ء میں کلیم الدین شمس میڈیکل ریلیف مشن عراق لے گئے۔

دواؤں کا حصول

فارورڈ بلاک کے لیڈر شری اشوک گھوش کی انسانی ہمدردی کی یہ تجویز دل کو بھا گئی اور ہم نے فیصلہ کیا کہ جس قدر ممکن ہو دوائیں لے کر پہلے عراق جائیں گے اور وہاں سے فارغ ہو کر عمرہ کرنے مکہ اور دربار رسالت میں حاضری دینے مدینہ منورہ جائیں گے۔ دوائیں لے کر عراق جانے کی تجویز سے نئی دہلی میں عراق کے سفیر کو باخبر کیا گیا۔ عراقی سفارت خانہ نے دواؤں کی ایک فہرست بھیجی جس کے مطابق فارورڈ بلاک نے دوائیں خریدیں۔ کچھ اندازہ نہ تھا کہ دواؤں کا حجم اور وزن کیا ہو گا، ارادہ تھا کہ دواؤں کے سب بکس بذریعہ طیارہ ساتھ لے جائیں گے مگر جب دواؤں کے کارٹنوں کا ڈھیر دیکھا تو یہ ناممکن معلوم ہوا کہ دواؤں کا انبار ہمارے ساتھ کلکتہ سے دہلی منتقل ہو، پھر اردن کے راستے عراق لے جائیں۔ عراقی سفیر سے مشورہ کیا تو ان کی رائے ہوئی کہ بہت قیمتی اور جان بچانے والی دواؤں

کے دو چار کارٹن ہم اپنے ساتھ بطور ٹوکن لے کر روانہ ہو جائیں۔ باقی دوائیں عراقی سفارت خانے کی معرفت بھیجی جائیں۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔

عراق دوائیں لے جانے والی ٹیم کو شری اشوک گھوش نے "عراق میڈیکل ریلیف ڈیلی گیشن" کی شکل دی۔ اس ڈیلی گیشن کے لیڈر کلیم الدین شمس صاحب نے وفد میں ایک اور شناسا جمشید علی ملا کو بھی شریک کرلیا۔ پہلے خیال تھا کہ پانچ رکنی وفد ہوگا مگر الیکشن کا اعلان ہو جانے سے یہ خیال چھوڑ دیا گیا۔ تین رکنی وفد تشکیل پایا جس کی منزلِ مقصود تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تھی مگر عراق ہو کر اور عراقی عوام کی ایک معمولی سی خدمت انجام دیکر۔ حکومت عراق کے علاوہ حکومت ہند کی وزارت خارجہ کو بھی "عراق میڈیکل ریلیف وفد" کے پروگرام کی اطلاع دے دی گئی۔ وزارت خارجہ نے عمان، بغداد اور جدہ میں ہندستانی سفارت خانوں کو ہماری آمد اور پروگرام سے باخبر کردیا۔ فارن ٹریڈ منسٹری نے ایک دن کے نوٹس پر اجازت نامہ جاری کردیا کہ عراق کیلئے میڈیکل ریلیف میں دوائیں ہم اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ عراقی سفارت خانہ نے بھی پروانہ راہ داری ہمارے حوالے کیا کہ عراق کی سرحد میں دوائیں لے کر داخل ہونے پر کوئی رکاوٹ نہ پڑے۔ اردن کے سفارت خانہ نے اپنی ائر لائنز کو چوکنا کر دیا تھا کہ دواؤں کا ایک بھاری لوڈ جانے والا ہے اس کیلئے کارگو میں جگہ رکھی جائے، لیکن اب ہمارے ساتھ صرف لائف سیونگ دواؤں کے چار کارٹن تھے، باقی بکس عراقی سفارت خانہ کی معرفت روانہ کردئے گئے۔

کلکتہ سے روانگی

ہمارا قافلہ بذریعہ طیارہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۷ء کی شام دہلی کیلئے روانہ ہوا۔ دہلی کی انتہائی سرد رات تھی۔ انڈین ایئر لائنز کی پرواز لیٹ ہونے کے سبب

تقریباً آدھی رات کو دہلی پہنچے اور حکومت مغربی بنگال کے ہوسٹل "بنگو بھون" میں رین بسیرا کیا۔ چار بجے رات کو پھر اٹھ گئے، پانچ بجے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئر پورٹ پہنچنا تھا۔ ۶ بجے رائل جارڈن ایئر لائینز کی فلائٹ تھی۔ ہوائی اڈے پر امیگریشن، کسٹم اور سیکوریٹی چیک سے جلد فراغت ہو گئی۔

اردن کا جہاز (ایئر بس) ٹھیک وقت پر دہلی سے اڑا۔ کافی سیٹیں خالی تھیں۔ جہاز کے کپتان نے بتایا کہ دہلی سے عمان تک سفر تقریباً سات گھنٹے میں طے ہوگا۔ اردن کا وقت ہندستانی وقت سے پونے تین گھنٹے پیچھے ہے۔ عمان میں عالیہ انٹرنیشنل ہوائی اڈے پر جہاز اترا تو ہماری گھڑی میں ہندستانی وقت کے مطابق دن کے دو بج رہے تھے اور اردن کے وقت کے مطابق ۱۱ بجکر ۱۵ منٹ ہو رہے تھے۔

ہوائی اڈے پر ہندستانی سفارت خانہ کے پروٹوکول آفسر مسٹر میتھیو موجود تھے۔ وہ چند مہینے پہلے ہی عمان آئے تھے اس لئے عربی زبان سے نا آشنا تھے، کیرالا کے رہنے والے ہیں۔ سفارت خانہ میں عملہ بہت کم ہے۔ سفیر کے علاوہ صرف نو ہندستانی ہیں۔ مسٹر میتھیو کے ساتھ . فارت خانہ کا ڈرائیور فاروق حسن تھا۔ یہ فلسطینی نوجوان ہے۔ عراق کی جنگ کے بعد کویت سے تمام فلسطینیوں کے ساتھ اسے بھی نکال دیا گیا تب سے یہ عمان میں دوسرے ہزاروں فلسطینیوں کے ساتھ پناہ گزیں ہے۔ فاروق تعلیم حاصل کرنے دہلی آ گیا تھا۔ دہلی میں سات سال رہ کر اس نے بی کام کا امتحان پاس کیا مگر اب اکاؤنٹ کا کام کرنے کے بجائے سفارت خانہ کی گاڑی چلاتا ہے۔ دو مہینے پہلے اس کی شادی ہوئی ہے۔ وہ انگریزی بول لیتا ہے اور عربی بولنے کی وجہ سے ہر جگہ مددگار ثابت ہوا۔ فاروق کی مدد سے امیگریشن کا مرحلہ آسانی سے نپٹ گیا۔ کسٹم چیکنگ بھی نہیں ہوئی۔ ابھی ہم فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک صاحب آگے بڑھ کر گرم جوشی سے ملے۔

جہاز میں تو ان کو نہیں دیکھا تھا، ہوائی اڈے پر شناسا چہرہ نظر آیا تو ذہن پر زور ڈالا کہ کون ہو سکتا ہے؟ کلکتہ میں "مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ آف ایشین اسٹڈیز" کے پروفیسر انچارج مسٹر رنبیر سمدار تھے جو انسٹی ٹیوٹ کے ریسرچ ورک کے سلسلے میں پیرس جا رہے تھے۔ بس سرسری علیک سلیک کے بعد ہم اپنے اپنے راستے ہو لئے۔

باب - ۲

عمان میں

عالیہ انٹرنیشنل ایئر پورٹ سے عمان شہر تقریباً ۲۰ کیلو میٹر دور ہے۔ ایئر پورٹ سے شہر کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ جو مسافر ٹرانزٹ میں اس ایئر پورٹ سے گزرتے ہیں، ان کی رسائی صرف ایئر پورٹ ہوٹل تک ہے۔ ایئر پورٹ کافی بڑا اور دومنزلہ ہے۔ دوسری منزل پر بہت بڑا ڈیوٹی فری شاپنگ سنٹر ہے۔ ایئر پورٹ سے جدھر نظر اٹھاؤ تو لق و دق صحرا نظر آتا ہے۔ عمان میں اچھی ٹھنڈ تھی اور سرد پہاڑی ہوا چل رہی تھی۔ فاروق اپنی وین ۱۱۰ کیلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے عمان کی طرف لے چلا۔ سڑک انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ کے مطابق نہایت اچھی، کشادہ اور دو جانب اپ اینڈ ڈاؤن ٹریفک کیلئے ہے۔ گاڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی عمان شہر میں داخل ہوئی تو آنکھیں کھل گئیں۔ یہ تصور بھی نہیں تھا کہ عمان اتنا خوبصورت، صاف ستھرا اور جدید شہر ہو گا۔ دنیا کے دوسرے قدیم شہروں کی طرح عمان بھی ہے جہاں ماضی حال سے گلے ملتا ہے۔ پرانے اور بوسیدہ چند مکانوں کے باقیات کے دامن میں جدید طرز کی عمارتیں نمودار ہیں۔ عمان سات پہاڑیوں پر آباد ہے۔ پہاڑیوں کے نشیب و فراز میں بنے مکانات ایک دلفریب نظارہ پیش کرتے ہیں (عمان کی آبادی تقریباً ۵ لاکھ) اردن کے بادشاہ شاہ حسین ہیں۔ ملک میں پارلیمنٹ اور مجلس وزراء ہے، وزیر اعظم عبدالسلام المجالی ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں اعتماد کا ووٹ حاصل کیا تھا۔

اردن ایک چھوٹا صحرائی ملک ہے۔ رقبہ کے لحاظ سے آبادی بہت کم ہے (رقبہ ۳۴،۳۴۲ مربع میل) صرف ۴۴ لاکھ لوگ اس ریگستانی اور پہاڑی ملک میں رہتے ہیں۔ دارالحکومت عمان ہے اس کے علاوہ چار اور خاص قابل ذکر شہر ہیں زرقہ، عقبہ (یہ پورٹ بھی ہے) اربد اور سالٹ۔

سکہ دینار ہے۔ تقریباً ۲/۱-۳ ڈالر میں ایک دینار ملتا ہے۔ آب و ہوا جاڑے میں سرد اور بعض وقت بہت سرد اور گرمیوں میں کافی گرم ہے۔

سفارت خانہ کی گاڑی ہمیں لے کر ہوٹل "فورٹ گرانڈ" پہنچی جہاں سفارت خانہ نے ہمارے لئے کمرے بک کرا رکھے تھے۔ یہ فائیو اسٹار اور کافی مہنگا ہوٹل ہے۔ کوئین نور اسٹریٹ شمیسانی میں واقع ہے۔ صاف ستھرا جدید طرز کا علاقہ ہے۔ دہلی میں رات کے جاگے ہوئے تھے اس لئے لیٹتے ہی سو گئے۔ سہ پہر میں اٹھے منہ ہاتھ دھو کر نیچے ریسٹورنٹ میں جاکر کھانا کھایا۔ کھانے کے نام پر جو کچھ ملا وہ ہم سے کھایا نہ گیا، بدمزہ اور پھیکا سیٹھا کچا پکا کھانا تھا مگر بہت مہنگا۔ ہاں، دوسری صبح ناشتہ بہترین قسم کا ملا۔ اتنی اچھی اور لذیذ کیک پیسٹری تھی کہ ہم نے ہوٹل کے اسٹاف سے خوب دل کھول کر تعریف کی۔ ناشتے میں بہترین قسم کی کھجوریں بھی تھیں۔ وہ بھی جی بھر کے کھائیں۔ سفارت خانہ والوں نے بتایا تھا کہ ناشتہ ہوٹل کی جانب سے ہے اور کرایہ میں شامل ہے مگر کمروں کا بلِ ادا کرتے وقت کرائے کے ساتھ ۱۵ ڈالر تین آدمیوں کے ناشتے کے بھی وصول کئے گئے۔

شام کو ڈرائیور فاروق کے ساتھ ہم شہر کی سیر کو نکلے۔ عمان کی پارلیمنٹ، عدالت اور اس سے متصل جامع مسجد دیکھی، پھر فاروق ہمیں ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور دکھانے لے گیا۔ اس کا نام "سیف وے" ہے۔ یہ ایک بہت بڑا دو منزلہ اسٹور ہے جس میں دنیا جہان کی عام ضرورت کی چیزیں ملتی ہیں۔ اسٹور میں بہت بھیڑ تھی اور بڑے زوروں پر خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ تمام چیزیں سلیقے سے سجی ہوئی تھیں۔ بھیڑ کے باوجود نہ دھکم دھکا تھا نہ مول تول کی تکرار۔ ہر چیز کی قیمت مقرر اور گاہک اپنی پسند کی چیزیں لے کر کیش کاؤنٹر پر جائے، قیمت ادا کرے اور گھر جائے۔ اسٹور کی سجاوٹ اور کام کرنے کا طریقہ، گاہکوں کا باوقار انداز میں شاپنگ کرنا، بہت متاثر کرنے

والا تھا۔ یہ اسٹور بالکل یورپین طرز کا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ لندن کے اسٹور میں ہیں۔ کلیم صاحب نے انگریزی کے دو اخبار خریدے۔ ایک "عرب نیوز" جو ایک ساتھ جدہ، ریاض اور ظہران سے نکلتا ہے اور ایک اخبار "جارڈن ٹائمز" خریدا۔ جدہ میں "عرب نیوز" کی قیمت دو سعودی ریال (۲۰ ہندستانی روپے ہے) عمان میں ۲۵۰ فلس میں ملا (اردن کے ایک دینار میں ایک ہزار فلس ہوتے ہیں) جارڈن ٹائمز بھی ۲۰۰ فِلس کا تھا۔ اس لحاظ سے اخبار بہت مہنگے ہیں۔ ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا کہ عمان کے لوگوں میں نظم و ضبط کتنا ہے۔ ٹریفک اور عام لوگوں کو دیکھ کر بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ عمان کے لوگوں کی زندگی میں کتنا سلیقہ اور ضابطہ ہے۔ عام طور پر لوگ صحت مند، خوبصورت، سرخ و سفید اور خوش خرم ہیں۔ ننھے منے بچے تو تازہ کھلے ہوئے گلاب کے پھول جیسے لگتے ہیں۔ لباس اور معاشرت عام طور سے یوروپین اسٹائل کی ہے۔ مجموعی طور پر عمان اپنی پہاڑی ساخت، عمارتوں کی بناوٹ اور آبادی کی بود و باش سے یورپ کا کوئی شہر جیسا لگتا ہے۔ کرسچین عورتیں اسکرٹ اور یوروپین لباس میں نظر آئیں۔ مسلم خواتین پورا لباس پہنتی ہیں۔ پردہ نہیں ہونے کے برابر ہے۔ چند خواتین سر پر اسکارف باندھے ہوئے دکھائی دیں۔ باقی کھلے سر تھیں۔ دو چار عورتیں "حجاب" میں بھی نظر آئیں شاید وہ یادگارِ ماضی تھیں۔

اردن کے پاس نہ تیل ہے نہ کوئی بڑی صنعت، چند معدنیات ہیں اور ان کی تجارت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ امریکن ایڈ ہے۔ سیاحت سے بھی کچھ آمدنی ہو جاتی ہے۔ چونکہ آبادی بہت کم ہے اس لئے تھوڑے میں بھی اچھا گزارہ ہو جاتا ہے۔ مجموعی طور پر خوشحالی کے آثار نظر آتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی جانب سے عراق کی اقتصادی ناکہ بندی میں بحکم امریکہ اب کچھ ڈھیل ہوئی ہے۔ چھ ماہ کیلئے دو بلین ڈالر کا تیل بیچ کر خوراک کیلئے اجناس اور

دوائیں خریدنے کی اجازت ملی ہے اس وجہ سے اردن اور عراق کی شاہراہ پر زبردست ٹریفک ہے۔ تیل کے سینکڑوں ٹینکر عراق سے اردن کی طرف روزانہ آرہے ہیں اور اردن سے غذا کے پچاسوں ٹرک عراق کی سمت جارہے ہیں۔ پھر بھی عراق کی ضرورت سے یہ سامان بہت کم ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ غیر سرکاری تجارت تھوڑی بہت ایران اور شام کے راستے بھی ہو جاتی ہے۔

امریکہ کے حکم سے عراق میں ہوائی جہاز اڑانے کی ممانعت ہے۔ بغداد جانے کیلئے عمان سے صرف سڑک سے ٹیکسی کا سفر ممکن ہے۔ عمان سے بغداد نو سو (۹۰۰) کیلو میٹر ہے اور تیز رفتار گاڑیاں یہ فاصلہ ۹--۱۰ گھنٹے میں طے کرتی ہیں۔

رات عمان میں گزار کر صبح ۸ بجے ہم بغداد کیلئے روانہ ہوئے۔ ہمارے سفارت خانہ نے ایک ٹیکسی ڈھائی سو ڈالر میں طے کی تھی۔ یہ شیورلیٹ اسٹیشن ویگن ۱۹۹۷ء ماڈل کی تھی۔اس کا ادھیڑ عمر کا ڈرائیور احمد تھا۔ اس کی ڈرائیونگ بہت اچھی تھی اور اس کی گاڑی بھی عمدہ تھی۔

باب - ۳

بغداد کیلئے روانگی

۲۱ر دسمبر ۹۷ء کی صبح ہماری گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی عمان سے بغداد کیلئے چلی۔ عمان، بغداد شاہراہ بہت عمدہ حالت میں ہے جس پر گاڑی ۱۷۰ اور ۱۸۰ کیلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑی جا رہی تھی۔ سڑک پر نہ کہیں گڑھے تھے اور نہ اونچا نیچا تھا، ایسا ہوتا تو گاڑی حادثے سے بچ نہیں سکتی تھی، الٹ جاتی۔ اردن کی سرحد ساڑھے تین سو کیلو میٹر پر ختم ہو گئی۔ وہاں سے بغداد ساڑھے پانچ سو کیلو میٹر ہے۔ راستے میں ہم نے ایک اردنی قصبہ میں رک کر ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر تازہ دم ہو کر آگے بڑھے۔

اردن اور عراق کی سرحد کے بیچ ایک دو فرلانگ کا علاقہ ایسا ہے جو "نو مین لینڈ" (NO MAN LAND) کہلاتا ہے یعنی اس پٹی کا مالک کوئی نہیں، اللہ کی مِلک ہے۔ اردنی چوکی پر ہمارے پاسپورٹ چیک ہوئے۔ یہاں تقریباً آدھا گھنٹہ لگا اور آگے جانے کی اجازت مل گئی۔ سامنے ہی عراق کی سرحدی چوکیوں پر تیل کے ٹینکروں اور سامان سے لدے ٹرکوں کی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں جن سے بچ بچا کر ڈرائیور نے بمشکل گاڑی نکالی۔ عراق کی سرحد سامنے آتے ہی سب سے پہلے صدر صدام حسین کی قد آدم تصویریں نظر آتی ہیں۔ عراق کا جھنڈا بھی لہرا رہا تھا جس میں تین ستاروں کے بیچ "اللہ اکبر" لکھا ہوا ہے۔ عراق کے جھنڈے میں یہ اضافہ خلیجی جنگ کے زمانے میں کیا گیا۔

عراق کی سرحد میں داخل ہونے پر ہماری گاڑی چیک پوائنٹ پر رک گئی اور ڈرائیور ہمارے پاسپورٹ لے کر سامنے آفس کے کسی کمرے میں گم

ہو گیا۔ سرزمین عراق پر پہنچ کر ہم گاڑی سے نیچے اترے اور اپنی ٹانگیں سیدھی کیں۔ جنوری ۱۹۹۱ء میں عراق پر امریکہ اور اس کے ۲۸ حواری ملکوں کے حملے کے دوران صدر صدام حسین اور عراق کے عوام نے جس شجاعت و استقامت سے قیامت خیز بم باری کا سامنا کیا اس کی یادیں آنے لگیں، عراق کی اس سرزمین کو جس پر کربلا ہے اور جہاں نواسۂ رسول اللہؐ حضرت امام حسینؓ نے حق و صداقت کیلئے اپنی بے مثال قربانی پیش کی تھی، ادب سے سلام کیا اور جنگ میں شہید ہونے والوں کیلئے اللہ سے دعا کی۔

امید مدحت مبارک

اردن کی سرحدی چوکی پر ہم گاڑی سے باہر دھوپ میں کھڑے ہو کر اپنے ڈرائیور کے واپس آنے کا انتظار کر رہے تھے جو ہمارے پاسپورٹ دکھانے ایک عمارت میں چلا گیا تھا، تب ہی ایک عراقی افسر نے آکر خبر دی کہ عراق کے وزیر صحت وی آئی پی لاؤنج میں ہمارا انتظار کر رہے ہیں اور وہیں ہمارا استقبال کریں گے۔ عراقی افسر نے وی آئی پی لاؤنج تک ہماری رہنمائی کی۔ یہاں وزیر صحت جناب امید مدحت مبارک نے سلام علیکم کے بعد ہمیں اھلاً وسہلاً کہا اور گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ وہ انگریزی جانتے ہیں۔ انہوں نے ہماری آمد اور اپنے ساتھ دوائیں لانے کا شکریہ ادا کیا۔ انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ ہندستان کے عوام میں عراقی عوام کی جدوجہد کیلئے کس قدر ہمدردی کا جذبہ ہے جس کا ایک مظہر دواؤں کا یہ ہدیہ ہے جسے ہم لے کر پہنچے ہیں۔ وزیر صحت کو ہم نے ہندستان کے عوام کی جانب سے دوستی کا سندیسہ پہنچایا اور بتایا کہ دواؤں کا یہ معمولی سا ہدیہ ہندستانی عوام کی طرف سے ہے۔ وزیر صحت نے ہندستانی عوام کا شکریہ ادا کیا اور درخواست کی کہ ان کا تشکر ہندستانی عوام تک پہنچا دیا جائے۔

اس خوشگوار گفتگو کے بعد اچانک ہمیں ایک جھٹکا لگا جب وزیر صحت

نے حکومتِ ہند کی شکایت کی کہ عراقی عوام کی مصیبت کی اس گھڑی میں وہ عراقی عوام کی بجائے امریکہ کا ساتھ دے رہی ہے اور عراقی عوام کے مصائب و آلام سے بالکل بے تعلق ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے ملک نے ہمیشہ سامراج کے خلاف مظلوموں کی حمایت اور مدد کی ہے مگر عراق کے معاملے میں ہندستان کا رویہ سرد مہری کا ہے۔

وزیر صحت کے شکایت کرنے سے پہلے میں کہنے والا تھا کہ کویت پر عراق کی چڑھائی کے وقت اس زمانے میں ہمارے وزیر خارجہ جناب اندر کمار گجرال، جو کہ اس وقت وزیر اعظم ہیں، عراق آئے تھے اور معاملے کو سلجھانے کی کوشش کی تھی، نیز ہمارے سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی بھی اس علاقے کے حالات سے بہت پریشان تھے۔ امریکی جارحیت کو رکوانے کیلئے راجیو گاندھی دوڑ کر ماسکو گئے تھے اور صدر گوربا چیف سے مل کر کہا تھا کہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے امریکہ کو عراق کے خلاف جارحیت سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ یہ سب کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آئی جب عراق کے وزیر صحت نے اپنی شکایت پیش کردی اور افسوس ظاہر کیا۔ اس کے بعد میں نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔

عراق جانے سے پہلے کلیم الدین شمس نے عراقی سفیر کی معرفت درخواست کی تھی کہ بغداد میں صدر صدام حسین سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ سرحدی چوکی پر وزیر صحت نے ہندستانی وفد کا استقبال تو کیا مگر معذرت بھی کی کہ پروٹوکول کے حساب سے صدر صدام حسین کیلئے ہندستان کے وزیر سے ملاقات میں دشواری ہوگی۔ پھر بھی انہوں نے وعدہ کیا کہ اس بارے میں وہ اپنے صدر سے بات کر کے ہوٹل الرشید میں ہم سے رابطہ قائم کرینگے جہاں ہمارا قیام طے تھا۔ پروٹوکول کے مطابق وزیر سے صدر کی ملاقات میں تو تکلف حائل تھا لیکن صحافی سے ملاقات میں کوئی

رکاوٹ نہیں تھی۔ میرا کوئی اپوائنٹمنٹ نہیں ہوا تھا لہٰذا اس کیلئے بھی صدر سے درخواست کرنا تھی۔ عراق میں ہمارا قیام صرف تین دن تھا۔ ہوٹل الرشید میں ہم وزیر صحت کے کسی نامہ بر کا انتظار کرتے رہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وزیر صحت امید مدحت مبارک ایک سرکاری تقریب میں شرکت کرنے بصرہ چلے گئے جہاں حکومت عراق نے کھاری پانی کی جگہ میٹھے پانی کا پلانٹ بٹھایا اور چالو کیا ہے۔ وزیر صحت سے ہماری دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی اور نہ ہی صدر صدام حسین تک رسائی ہوئی۔ البتہ عراق کے وزیر مذہبی امور و اوقاف جناب عبدالمنعم نے اپنے دفتر میں ہم سے ملاقات کی اور وزیر صحت کی عدم موجودگی میں دواؤں کا ہدیہ قبول کر کے ڈائرکٹر ہیلتھ سروسز کے سپرد کردیا۔ اس ملاقات کی ٹی وی فلم تیار کی گئی اور بغدادی اخباروں میں اس ملاقات کی خبر شائع ہوئی۔ وزیر موصوف کے ساتھ گفتگو میں کلیم الدین شمس صاحب نے امریکی سامراج کا مقابلہ کرنے میں ہندستانی عوام کی طرف سے عراق کی مکمل تائید میں ایک مختصر تقریر انگریزی میں کی جسے ہمارے سفارت خانہ کے ترجمان نے عربی میں دہرایا۔ وزیر موصوف یہ کلام سن کر بہت خوش ہوئے اور بار بار شکریہ ادا کیا۔ پھر انہوں نے جوابی تقریر عربی میں کی جس کا انگریزی ترجمہ ہمیں سنایا گیا۔ اپنی تقریر میں وزیر مذہبی امور جناب عبدالمنعم نے امریکی اور برطانوی سامراج کی سخت لفظوں میں مذمت کی اور کہا کہ برطانیہ قدیم سامراجی طاقت ہے اور اپنی روایت کے مطابق امریکی سامراج کے ساتھ ہے۔ اس کے برخلاف روس، فرانس اور چین عراق کی طرفداری کر رہے ہیں اور اقتصادی ناکہ بندی اٹھانے کیلئے اقوام متحدہ میں آواز اٹھا رہے ہیں۔ جناب عبدالمنعم نے اپنی تقریر میں ہندستان کا نام نہیں لیا، صرف دوائیں لانے کیلئے ہمارا اور ہندستانی عوام کا شکریہ ادا کیا۔

کلیم الدین شمس صاحب نے وزیر مذہبی امور عبدالمنعم کو مقامات

مقدسہ کی زیارت سے متعلق اپنے تاثرات سے آگاہ کیا اور کہا کہ ہر جگہ لوگوں نے صدر صدام حسین کی تعریف کی کہ انہوں نے تاریخی مقدس

الاغذية في ولاية البنغال

كتب / كريم الحمداني

التقى الدكتور عبدالمنعم احمد صالح وزير الاوقاف والشؤون الدينية السيد كليم الدين شمس وزير الاغذية والتجهيزات في حكومة ولاية البنغال الغربية في الهند

وقدم السيد الوزير للوفد الضيف شرحا مفصلا عن الرعاية والاهتمام اللتين توليهما السيد الرئيس القائد المجاهد صدام حسين للعتبات المقدسة ودور العبادة وعلماء الدين في القطر رغم ظروف الحصار الظالم الذي تفرضه قوى الكفر والضلالة فضلا الى شرح الاهداف السامية للحملة الوطنية الكبرى التي يقودها سيادته

وعبر الوفد الضيف عن اعجابه الشديد بما تحقق في العراق بفضل قيادته الحكيمة في مجال اعمار ومرمة الاضرحة [illegible] واستنكاره الشديد لاستمرار الحصار الظالم المفروض على شعب العراق الصامد والذي يتقاطع مع كل القوانين والاعراف الدولية ولتعاليم الاديان السماوية

قادسیہ 25.12.97

اخبار قادسیہ میں شائع ہوئی خبر کی فکس کاپی۔

مقامات کی حفاظت اور توسیع کیلئے دل کھول کر مدد کی ہے اور ان مقامات کو بہتر حالات میں رکھنے کیلئے بھاری رقمیں خرچ کی ہیں۔ کلیم صاحب نے کہا کہ عراق آنے سے پہلے اندازہ نہیں تھا کہ اس سرزمین پر اس قدر بزرگان دین کے مزارات اور آثار ہیں اور اب سمجھ میں آیا کہ اسرائیل نواز امریکہ کیوں عراق کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے، امریکی حملہ صرف عراق پر نہیں بلکہ اسلام پر ہے اور یہ بات سب مسلم ملکوں کو سمجھ لینا چاہئے۔ عبدالمنعم صاحب نے ہمیں مشورہ دیا کہ بغداد میں اپنے قیام کے دوران صحابی رسولؐ

حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار پر بھی جائیں۔

عبدالمنعم صاحب سے ملاقات کے وقت عراق میں ہمارے سفارت خانہ کے ناظم الامور (چارج ڈی افیئر س) مسٹر سومن رے بھی موجود تھے۔ فی الوقت عراق میں ہمارا سفیر نہیں ہے۔ سفیر عارف خاں ریٹائر ہوکر واپس ہندستان چلے گئے۔ سفیر کی عدم موجودگی میں مسٹر سومن رے ناظم الامور کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔(ہمارے واپس آنے کے بعد وزارت خارجہ کے ایک افسر مسٹر آر دیاکر بغداد میں ہندستانی سفیر بن کر گئے ہیں۔)

کلکتہ سے عراق کیلئے روانہ ہونے سے پہلے وزارت خارجہ کے توسط سے ہمیں اطلاع مل گئی تھی کہ کربلا، نجف اور کوفہ میں وہاں کے گورنر ہمارا خیر مقدم کرینگے اور استقبالیہ دیں گے۔ ان مقامات پر ۲۳ر دسمبر کو جانے کا پروگرام تھا مگر ہم ایک دن پہلے ہی ۲۲ر دسمبر کو چلے گئے نتیجے میں کسی گورنر کو ہماری آمد کی خبر نہیں ملی اور نہ کوئی پروگرام ہوا۔ لیکن شام کے وقت نجف اشرف سے جب ہم کوفہ پہنچے تو قائم مقام گورنر نے ہمیں مسجد مسلم بن عقیل میں مرحبا کہا اور تعجب ظاہر کیا کہ پروگرام سے ایک دن پہلے ہم کیسے آگئے۔ ہم نے معذرت کی کہ وقت بہت کم ہے لہٰذا ہم آگئے۔ گورنر نے مسجد کے ایک گوشے میں دیوان خانہ میں ہمارے استقبال کا فوری بندوبست کیا اور افسوس ظاہر کیا کہ ہمارے شایانِ شان استقبالیہ نہیں دیا جا سکا۔ ہمارے ساتھ ناظم الامور مسٹر سومن رے بھی کربلا، نجف اشرف اور کوفہ گئے اور تمام دن ساتھ رہے۔ بغداد سے باہر جانے کیلئے انہیں وزارت خارجہ سے اجازت لینا پڑی تھی۔

کلیم الدین شمس صاحب سفر کے دوران ایک بات برابر کہتے رہے کہ عراق دیکھنے اور اس کے مقامات مقدسہ پر حاضری کا انہیں ہمیشہ سے اشتیاق تھا جسے اللہ نے اب پورا کیا اور عراق آنے سے پہلے انہیں اندازہ نہیں تھا

کہ اس سرزمین کے چپے چپے پر بزرگان دین محو خواب ہیں اور اس کثرت سے مقدس مقامات موجود ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۰۸ء میں بغداد کا سفر کیا تھا اور دریائے دجلہ کی سیر کا حال بھی اختصار سے لکھا تھا۔ اپنے خط میں مولانا نے ایک غزل کے تعلق سے لکھا تھا کہ "وقت کے تصاوفات کا کرشمہ دیکھیے بعینیہ یہی غزل آج سے ۳۲ برس پہلے ایک بزم انس میں سنی تھی اور کہاں سنی تھی؟ بغداد کی شب ماہ میں عین دجلہ کی لہروں پر"۔ مولانا آزاد کے سفر عراق پر بعض ناقدوں کی طرف سے بہت چہ مگوئیاں ہوئی۔ مولانا کے خلاف مضامین لکھے گئے۔ مولانا نے اپنی انگریزی کتاب انڈیا ونس فریڈم (INDIA WINS FREEDOM) میں بھی اپنے سفر کا ذکر کیا کہ "اسی زمانے میں مجھے ہندستان سے باہر جانے اور عراق، مصر، شام اور ترکی کا دورہ کرنے کا موقع ملا"

مولانا آزاد کے بڑے بھائی ابونصر آہ بھی مولانا سے پہلے عراق گئے تھے اور وہاں شدید بیمار ہو کر بڑی مشکل سے ہندستان لائے گئے اور جلد ہی انتقال کر گئے۔ مولانا آزاد سے تعلق کی بنا پر مجھے بھی عراق جانے اور دریائے دجلہ دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ واقعات کربلا کے سلسلے میں دریائے فرات کا ذکر بچپن سے کانوں میں پڑتا رہا۔ سرزمین عراق پر پہنچ کر مولانا آزاد کی یاد بار بار آتی کہ کبھی وہ جلیل القدر عالم دین اور قوم کا رہنما ہندستان سے یہاں آیا تھا اور آج ہمارے حصے میں یہ سعادت آئی کہ اس تاریخی اور اسلامی ثقافت کے مرکز کو دیکھیں۔

دجلہ اور فرات کا دوآبہ ایک ایسا زرخیز اور ہرا بھرا علاقہ ہے کہ انسانی تاریخ کے ابتدائی دور میں یہاں تہذیب و تمدن نے آنکھیں کھولیں۔ عراق میں کبھی بابل کے باغات تھے جن کے اب صرف آثار اور کھنڈرات باقی ہیں اور عجوبہ شمار ہوتے ہیں۔ عراق کی آبادی اس وقت کوئی دو کروڑ ۲۵

لاکھ ہے۔ اور ۹۷ فیصد آبادی مسلم ہے۔(شیعہ ٦٠ فیصدی سے زائد اور سُنّی ۳۲،۳۷ فیصدی۔ عرب ۸۰-۷۵ فیصدی اور کرد ۱۵-۲۰ فیصدی ہیں) جغرافیائی رقبہ ۱٫٦۷٫۹۷۵ مربع میل ہے۔ شرق اوسط میں عراق کا محل وقوع خاص اہمیت رکھتا ہے۔ عراق کے مغرب میں اردن اور شام، شمال میں ترکی، مشرق میں ایران اور جنوب میں سعودی عرب اور کویت واقع ہیں۔ عراق پر قبضہ کر کے جو طاقت بیٹھے وہ چاروں سمت ٦ ملکوں پر نظر اور کنٹرول رکھ سکتی ہے۔ عراق میں تعلیم مفت اور ٦ سے ۱۲ سال تک بچوں کیلئے لازمی ہے۔ تقریباً ٦٠ فیصدی آبادی پڑھی لکھی ہے۔ عام زبان عربی ہے اور یہی سرکاری زبان ہے۔ اس کے علاوہ کردوں کے علاقے میں کرد زبان رائج ہے۔

بغداد ایک تاریخی شہر

دہلی کی طرح بغداد ایک قدیم تاریخی شہر ہے۔ اس وقت بغداد کی آبادی تقریباً ۴۴ لاکھ ہے۔ اس شہر میں نہ جانے کتنے خلفاء اور ملوک کی تاریخ لکھی گئی اور دفن ہوئی۔ دہلی کی طرح بغداد بھی بار بار اجڑا اور پھر بسا۔ دجلہ اور فرات میں جتنا پانی بہتا ہے اتنا ہی انسانی خون بھی عراق میں اور خاص کر بغداد میں بہہ چکا ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں بغداد لوٹا، جلایا اور برباد کیا گیا۔ ۱۹۹۱ء میں امریکہ نے بغداد پر اتنی زبردست بم باری کی اور اتنے گولے اور راکٹ برسائے جتنے دوسری جنگ عظیم میں لندن پر ہٹلر نہیں برسائے تھے۔ دہلی کے مثل بغداد کی بھی یہ صفت ہے کہ جتنی مرتبہ اجاڑا جاتا ہے، اتنی ہی مرتبہ بہتر طور سے بستا ہے اور زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ رواں دواں رہتی ہے۔

اسلامی عہد سے پہلے ایک چھوٹا سا گاؤں بغداد، دریائے دجلہ کے کنارے آباد تھا اور بھی چند بستیاں اس جگہ تھیں۔ عباسی خلیفہ جعفر المنصور
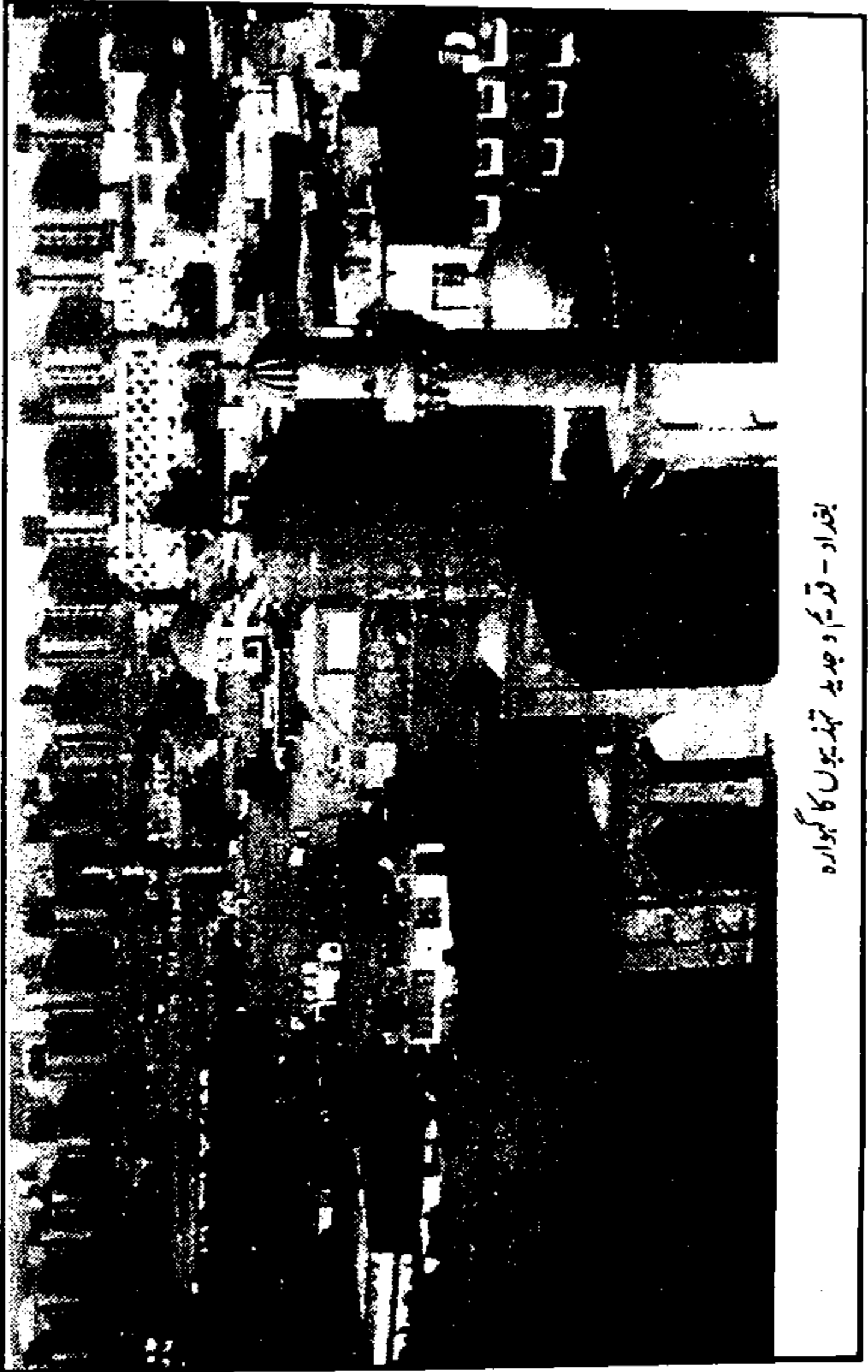
بغداد - قدیم و جدید تہذیبوں کا گہوارہ

نے شہر بغداد کی بنیاد آٹھویں صدی عیسوی میں ۷۶۵ء میں رکھی اور شہر کی تعمیر ۷۶۹ء میں مکمل ہوئی۔ اس دور میں شہر کی تعمیر پر خلیفہ کے خزانے سے چار کروڑ ۸۳۳ لاکھ درہم خرچ ہوئے تھے۔ معمار کا معاوضہ ایک قیراط اور مزدور کی یومیہ اجرت دو (۲) پیسے تھی۔ شہر پناہ کی دیوار کی چوڑائی ۵۰ فٹ تھی۔ آٹھ دروازے تھے۔ شہر کی تقریب سنگ بنیاد کے وقت بہت سے علماء اور بزرگوں اور عمائدین کو مدعو کیا گیا تھا۔ مدعوئین میں امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام حجاج بن ارطاقؒ بھی تھے۔ جدید بغداد کا رقبہ ۸۵۰ کیلو میٹر مربع ہے۔ دریائے دجلہ نے بغداد کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ دریا پر آمد و رفت کیلئے چار پل بنے ہوئے ہیں۔ جنہیں امریکی بمباری سے نقصان پہنچا تھا۔ مرمت کے بعد یہ پل اور فلائی اوور بالکل صحیح سالم حالت میں ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں جو سلوک امریکہ نے بغداد کیساتھ کیا ویسا ہی سلوک تیرھویں صدی میں چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خان نے کیا تھا۔ ہلاکو نے ۲۰ر جنوری ۱۲۵۸ء کو بغداد پر حملہ کیا اور باشندوں کو تہہ تیغ کر کے خوبصورت بغداد شہر کو جلا ڈالا۔ بغداد کے عظیم کتب خانہ کو جن میں نایاب و نادر مسوّدے بھی تھے، ہلاکو نے دجلہ میں پھینکوا دیا جس سے دجلہ کا پانی کئی دن تک سیاہ رنگ کا رہا۔ ہلاکو خاں کے حملہ کے بعد تقریباً سات سو برس بغداد کی رونق غائب رہی اور عالم میں انتخاب یہ اسلامی شہر گمنامی کے اندھیرے میں پڑا رہا۔ بیسویں صدی میں عراق پھر نمایاں ہوا اور تیل کی دریافت کے بعد تو اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی، اس کے ساتھ مصیبتوں کا بھی نزول ہوا۔

- خلافت عباسیہ کے خاتمے تک بغداد دارالخلافہ رہا اور صدہا سال تک عالم اسلام کا علمی، دینی اور ثقافتی مرکز تھا۔ عثمانی ترکوں کی خلافت کے دور میں بغداد صوبہ عراق کا خاص مقام رہا۔ کچھ عرصہ دارالخلافہ بغداد سے سامرا منتقل ہو گیا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے عراق پر قبضہ

کر لیا تھا جو ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء تک جاری رہا۔ ۱۹۲۱ء میں بغداد جدید مملکت عراق کا دارالحکومت ہو گیا۔ خلیفہ جعفر المنصور نے اپنے شہر بغداد کا نام "مدینتہ السلام" (سلامتی کا شہر) رکھا تھا۔ مگر یہ بمشکل سلامت رہ سکا۔ اسلامی دور حکومت میں بغداد نے بہت ترقی کی۔ کبھی بہت اچھے دن دیکھے کبھی بہت بربادی دیکھی۔ اسلامی ثقافت کے مرکز کی حیثیت سے ایک خلقت اس کی طرف کھنچی چلی آتی تھی۔ یہاں کثرت سے مسجدیں، کتب خانے، حمام، مدرسے، منڈیاں، ہنر مند اور علمی مراکز قائم کئے گئے۔ حنفی اور حنبلی فقہ کا یہ گھر بنا۔ یہاں سے علم و عرفان کے چشمے بھی پھوٹے اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ اور مسلکی جھگڑے بھی اٹھے جن سے کئی بار خانہ جنگی کی نوبت آئی۔

تعمیر و ترقی اور تباہی و بربادی ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ آئے دن بغداد کو عوام کی شورشوں، فرقوں کے باہمی اختلافات اور عیاروں (بغداد کی ایک منظم جھگڑالو جماعت) سے بہت نقصان پہنچا۔ ایک وقت مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ اور مسلکی فسادات بہت بڑھ گئے تھے۔ شیعہ سنی جھگڑے روز کا معمول بن گئے تھے۔ یہ ۹۴۹ء کا زمانہ ہے۔ ایرانی شہزادوں آل بویہ کی حکومت قائم ہوئی تو ۱۰ر محرم کو عام ماتم کا دن قرار دیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ اس روز بازار بند رہیں اور ماتمی جلوس نکالنے کی لوگوں کو ترغیب دی گئی جس میں عورتیں اپنے منھ پیٹتی جاتی تھیں۔ ۱۸ر ذی الحجہ (یوم غدیر) کو عید کا دن قرار دیا گیا۔ اس کے مقابلے میں سنّیوں نے اپنے دو دن الگ مقرر کئے جو شیعوں کے مندرجہ بالا تہواروں کے علی الترتیب ۸-۸ دن بعد عید منائے جاتے تھے۔ سب سے پہلے اسی سال ۹۴۹ء میں کرخ کو لوٹا گیا۔ ۹۵۹ء میں دو فرقوں میں زبردست لڑائیاں ہوئیں جن میں باب انطاق تباہ ہوا اور اسے آگ لگا دی گئی۔ ستر ہزار نفوس ہلاک ہوئے۔ تین سو دکانیں، بہت سے

مکان اور ۳۳ مسجدیں جل کر راکھ ہو گئی۔ ۹۹۱ء میں پھر فساد ہوا اور بہت سے محلوں کو آگ لگا دی گئی، بازار تباہ کردیئے گئے۔ شاہ عباس نے بغداد کو ۱۰۳۲ھ / ۲۳-۱۶۲۲ء میں فتح کیا تو مدرسوں کی عمارتیں اور سنیّوں کے مقبرے منہدم کردیئے گئے۔ ان میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقبرے بھی شامل تھے۔ ہزاروں لوگ قتل کردیئے گئے یا غلام بنا لئے گئے۔ ۱۶۳۸ء میں عثمانی ترکوں نے سلطان مراد چہارم کی قیادت میں بغداد پر دوبارہ قبضہ کیا اور منہدم مقبروں خصوصاً شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مزاروں کو دوبارہ بنوایا۔ بغداد آج بھی مقبروں اور محلوں کا شہر ہے۔ اس سے قبل حنفی اور حنبلی مسلکوں کے فسادات کا دور شروع ہوا اور اسی جنگ میں تاتاری جنگ باز ہلاکو خاں کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی گئی۔ اس نے بغداد میں فروری ۱۲۵۸ء میں داخل ہو کر قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کیا کہ تاریخ کا ایک المناک باب بن گیا۔ بغداد کا حسن اور اسلامی ثقافت کا مرکز مکمل طور سے تباہ ہو گیا۔ بغداد کو ختم کرنے کے کچھ عرصہ بعد ہلاکو خاں مسلمان ہوگیا۔ بغداد اسی طرح برباد اور تعمیر ہوتا رہا۔ کبھی محاصرے، کبھی قحط، کبھی سیلاب اور کبھی طاعون نے بغداد کو برباد کیا۔

آج کا بغداد

یہ سب پرانی کہانی ہے۔ آج بغداد اور پورے عراق میں امن و امان ہے۔ جنوری ۱۹۹۱ء میں امریکہ نے عراق پر حملہ کرنے کے ساتھ شیعوں اور کردوں کو ورغلانا شروع کیا کہ صدام حسین کی حکومت کے خلاف پرچم بغاوت بلند کریں۔ کردوں کا معاملہ الگ ہے۔ وہ ایک عرصہ سے عراق اور ترکی کے علاقے لے کر اپنی علاحدہ آزاد خود مختار حکومت بنانا چاہتے ہیں۔ ترک فوجوں کے ساتھ کردوں کا تصادم برابر چل رہا ہے لیکن عراق کی شیعہ آبادی نے جو اکثریت میں ہے، نہ تو عراق - ایران جنگ میں اپنے
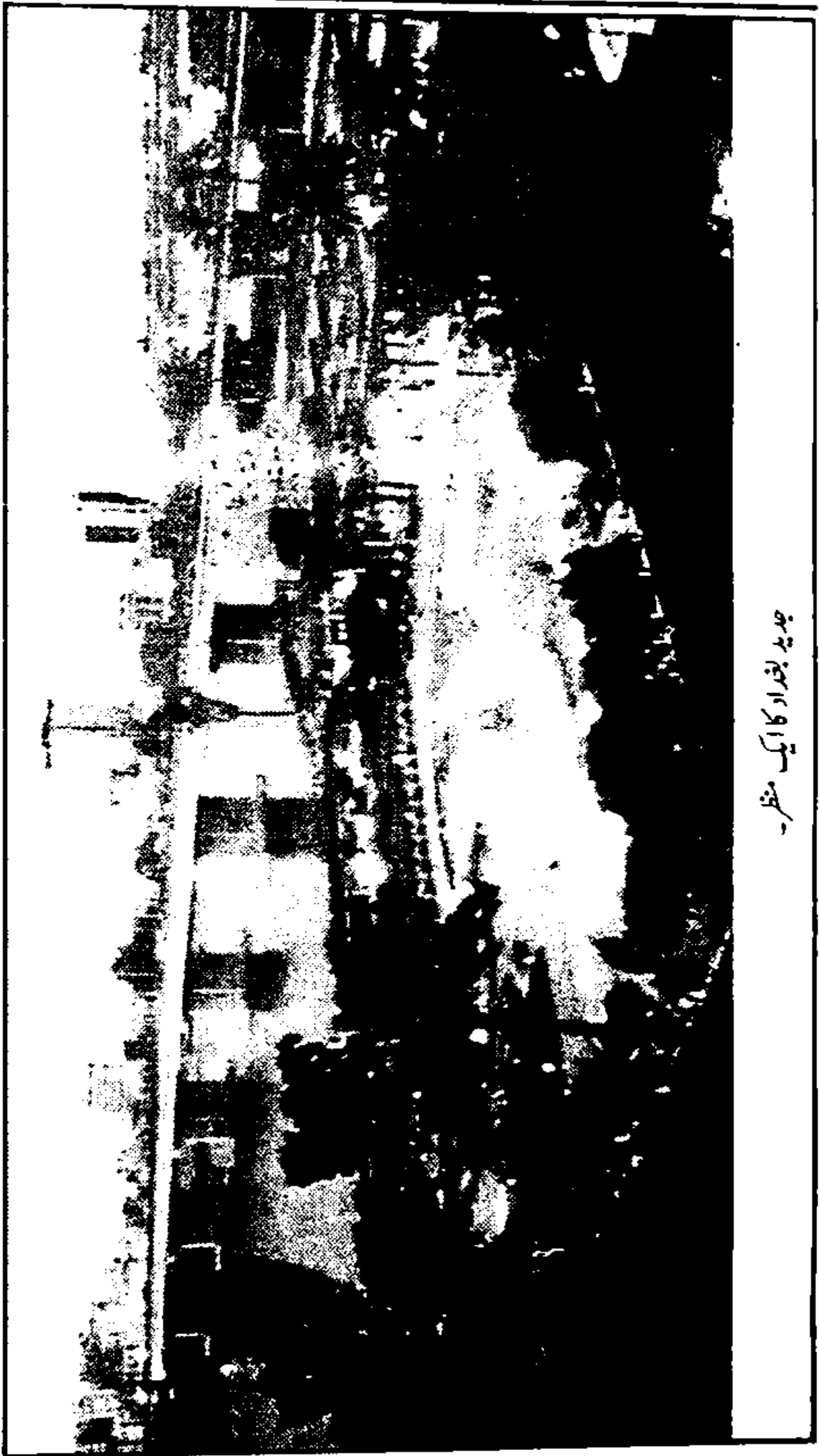
جدید بغداد کا ایک منظر۔

ملک اور حکومت کے خلاف قدم اٹھایا۔ حالانکہ عراقی فوجوں میں شیعہ بھی ہیں اور ایران سے جنگ میں انہوں نے بھی حصہ لیا اور نہ امریکہ کے بہکاوے میں وہ آئے۔ صدام حسین سنّی ہیں انہوں نے کربلائے معلٰی، نجف اشرف اور کاظمین و کوفہ وغیرہ میں مقدس مقامات کی زینت اور دیکھ بھال کیلئے کثیر سرمایہ فراہم کیا جس کی ہر جگہ تعریف ہم نے سنی۔ آج عراق میں شیعہ سنّی جھگڑے اور اختلاف کی کوئی بات نہیں کرتا۔ دونوں فرقوں کے لوگ امن وسکون اور اخوت کے ساتھ رہتے سہتے ہیں۔ صدام حسین کی حکومت کا یہ بھی ایک تاریخی کارنامہ ہے کہ اپنے ملک کو فرقہ وارانہ اور مسلکی جھگڑوں سے پاک رکھا ہے۔

خلیفہ ہارون رشید کو بغداد میں آج بھی عزت سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے دور میں بغداد کا سب سے زیادہ عروج ہوا۔ ہارون کے بعد اس کے بیٹوں امین و مامون میں خلافت کے حق کیلئے زبردست کشمکش اور جنگ ہوئی تھی۔ امین آخر کار قتل ہوا اور مامون کا تسلط قائم ہو گیا۔ مامون کا عہد بھی خلافت اسلامیہ کیلئے سازگار رہا اور بغداد نے بہت ترقی و خوشحالی حاصل کی۔

خلفاء کے زمانے سے بغداد میں نئے نئے آراستہ و پیراستہ محل تعمیر کرنے کا رواج رہا ہے اور یہ روایت آج بھی برقرار ہے۔ صدر صدام حسین نے بھی درجن بھر محل تعمیر کرائے ہیں۔ بغداد میں ایک عالی شان ہوٹل خلیفہ ہارون الرشید کے نام سے "الرشید" ہے۔ اسی ہوٹل میں قیام کا ہمارے سفارت خانہ نے بندوبست کیا تھا۔

ہوٹل الرشید

بغداد میں ہوٹل الرشید ایک عالیشان فائیو اسٹار ہوٹل ہے۔ یہ ایک تاریخی ہوٹل ہے جہاں خلیجی جنگ کے زمانے میں فارن جرنلسٹوں اور

سفارت کاروں کا ہجوم تھا۔ امریکہ نے اس ہوٹل پر بھی راکٹ مارے تھے اور ہوٹل کو نقصان پہنچا تھا۔ ہوٹل الرشید کے صدر دروازے کے فرش پر جنگ کے زمانے کی ایک یادگار اب بھی باقی ہے۔ رنگین ٹائیلس کے چپس سے امریکہ کے اس وقت کے صدر جارج بش کی بہت بڑی شبیہ بنائی گئی ہے جس پر عربی میں یہ عبارت درج ہے "**المجرم جورج بوش - تسقط امریکه**" (مجرم جارج بش، امریکہ مردہ باد) انگریزی میں بھی اسی عربی عبارت کا ترجمہ نقش ہے۔ بش کی شبیہہ ایسی جگہ فرش پر بنائی گئی ہے کہ ہوٹل کے اندر آنے اور باہر جانے والے ہر شخص کے پاؤں تلے جلّاد صفت جارج بش کا چہرہ روندا جاتا ہے۔

ہوٹل بہت بڑا ہے مگر عراق کی ویرانی اور غریبی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ بہت کم لوگ ہوٹل میں مقیم تھے۔ ہوٹل سونا سونا نظر آرہا تھا۔ ریسٹورنٹ میں ناشتہ کھانا معمولی قسم کا میسر ہے۔ ہمارے ناشتے کے کوپن تو کرائے میں شامل تھے۔ مگر ناشتہ بہت معمولی قسم کا ہوتا تھا جس سے ہوٹل اور ملک کی بدحالی عیاں تھی۔ ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں صرف ایک وقت ۲۱ر دسمبر کی رات کھانا کھایا۔ ایک ایک پیالہ سوپ، آدھی آدھی چکن، دو تین سوکھی روٹیاں اور تھوڑا سے سلاد۔ یہ تھا کل کھانا اور تین آدمیوں کا بل ۲۵ ہزار عراقی دینار ہو گیا۔ کمرے میں دو آدمیوں کیلئے چائے منگوا کر پینے کا بل بھی ۲۰-۲۵ ہزار عراقی دینار تک جا پہنچا۔ عراقی دینار کی کوئی قدر نہیں ہے۔ امریکن ڈالر کی ہر طرف مانگ ہے مگر ٹریولر چک قابل قبول نہیں ہوتے کیونکہ بینکنگ سسٹم موجود نہیں ہے، نقد ڈالر دینا ہوتا ہے۔ ایک امریکی ڈالر کے ۱۵ سو عراقی دینار ملتے ہیں۔ سرکاری نرخ ۱۲۵۰ عراقی دینار فی ڈالر ہے۔ عراق میں پانی مہنگا اور پٹرول سستا ہے۔ بیس عراقی دینار میں ایک لیٹر پٹرول ملتا ہے۔ عراق کی صحرائی زمین کے نیچے تیل کا سمندر بہہ رہا ہے اور یہ اعلیٰ قسم کا تیل ہے۔

ہمارے سفارت خانہ کے چارج ڈی افیئرس مسٹر سومن رائے کے علاوہ سفارت خانہ ہندیہ سے وابستہ ۴۷ سالہ ایک معمر عراقی جناب صالح رمضان، جنہیں سفارت خانہ کے سب لوگ احترام سے عمّو (چاچا) کہتے ہیں، ہمارے ساتھ کربلا، نجف اشرف، کاظمین اور کوفہ وغیرہ میں رہے۔ وہ اچھی خاصی اردو بولنے لگے ہیں۔ ان سے ہر قدم پر ہمیں رہنمائی اور مدد ملی۔ صالح رمضان صاحب ہمارے بھی عمّو (چاچا) بن گئے۔ یہ شیعہ ہیں مگر عراق میں اب شیعہ سنّی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ دونوں فرقے آپس میں شیر و شکر ہیں، باہم شادی بیاہ بھی کرتے ہیں۔ عراق میں گرچہ شیعہ آبادی اکثریت میں ہے مگر حکومت بعث پارٹی کی یعنی سنّی مسلمانوں کی ہے۔ ایران کے ساتھ عراق کی جنگ میں عراقی شیعہ جان توڑ کر لڑے تھے۔ فوج میں بھی ان کی کثرت ہے۔ حب الوطنی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور اس معاملے میں شیعہ سنّی میں نہ کوئی تفریق ہے نہ امتیاز۔ شیعہ سنّی کے بدبختانہ جھگڑے صرف ہندستان اور پاکستان میں باقی رہ گئے ہیں۔ عراق کے پڑوسی ملک شام میں صورت حال برعکس ہے۔ جہاں مسلمانوں کی اکثریت سنّی اور حکومت شیعوں کی ہے۔ شام میں بھی کسی قسم کا شیعہ سنّی تنازع اور تعصب نہیں۔

عراق-ایران جنگ میں شامی حکومت ایران کی طرفدار تھی۔ عراق میں عیسائی بھی کافی تعداد میں ہیں اور اپنے طور پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہوٹل الرشید میں ایک رات کسی عیسائی جوڑے کی شادی تھی۔ کافی تعداد میں مہمان آرہے تھے۔ ہوٹل میں کرسمس کا درخت لگایا گیا اور چراغاں کیا گیا۔ کرسمس کی رات ۲۴ر دسمبر کو ہم نے عیسائیوں کو یوم میلاد حضرت عیسٰی مناتے دیکھا۔ ۲۵ر دسمبر کو حکومت عراق نے کرسمس کی چھٹی کردی۔ ۲۴ر دسمبر کو مختلف سفارت خانے کرسمس کے تحفے سرکاری افسروں اور وزیروں کو بھیج رہے تھے۔ صدر صدام حسین نے بھی ہمارے سفارت

خانے کو ایک بہت بڑا ڈبہ عراق کی بہترین قسم کی کھجوروں کا بھیجا۔ مسٹر رائے نے وہ ڈبہ ہمارے حوالے کردیا۔ مسٹر رائے نے بھی کرسمس کی رات اپنے گھر پر ہمیں رات کا کھانا کھلایا جس میں کافی تکلف سے کام لیا۔ وہ اصلاً دہلی کے رہنے والے ہیں۔ اس لئے اردو خوب صاف بول لیتے ہیں۔ عراق میں رہنے کی وجہ سے موقع کی مناسبت سے الحمدللہ، ماشاء اللہ اور انشاء اللہ کہتے جاتے ہیں۔ خود ہی کہنے لگے کہ "بھائی میں آدھا مسلمان ہو چکا ہوں"۔ ان کا ۱۳ سال کا بیٹا بغداد کے اسکول میں عربی بھی پڑھ رہا ہے۔ مگر مسٹر رائے اور ان کی مسز، بغداد کی ویران سفارتی زندگی سے بہت پریشان ہیں۔

عمان سے بغداد پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی تھی۔ ہماری گاڑی مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی الرشید کے باغیچے میں داخل ہوگئی۔ رات کے اندھیرے میں شہر کی حالت کا کچھ اندازہ نہیں ہوا۔ رات ہوٹل میں بسر کی۔ ہمارے کمرے تیرہویں منزل پر تھے۔ لفٹیں اچھی حالت میں تھیں اور ہوٹل میں صفائی تھی۔ تیرہویں منزل کے جھروکے سے بغداد شہر کا ایک حصہ دور تک نظر آتا تھا۔ بعض عمارتیں کثیر منزلہ اور فلک بوس تھیں۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا کہ بغداد پر امریکن بمباری کے نقصانات کے آثار کہیں نظر آئیں اور کوئی عمارت کھنڈر دکھائی دے مگر سات سال پہلے (جنوری ۱۹۹۱ء) میں ہونے والی قیامت خیز بمباری کے اب آثار کہیں موجود نہیں ہیں۔ عمارتوں، کارخانوں، اسکولوں، سڑکوں اور پلوں کا جو کچھ نقصان ہوا تھا، اور بہت بھاری نقصان تھا، اسے صدام حسین کی حکومت نے مرمت کر کے ٹھیک کرلیا اور اب زمانۂ جنگ کی بمباری محض تاریخ کی یاد بن کر رہ گئی ہے۔

۲۲ر دسمبر ۹۷ء کو کربلا کیلئے روانہ ہونے سے پہلے ہم ہندستانی سفارت خانہ میں گئے۔ سفارت خانہ کے "عمّو" (صالح رمضان) ہمیں لینے

ہوٹل آگئے تھے۔ سفارت خانہ کے قریب ہی دریائے دجلہ بہہ رہا ہے۔ یہ ایک بڑا دریا ہے جس پر کئی پل بنے ہیں۔ سفارتخانہ میں ناظم الامور مسٹر رائے نے ہمارا استقبال کیا اور عراق کے حالات پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے بتایا کہ سفارت خانہ سے دہلی کے سوا اور کسی ملک سے ٹیلی فون یا فیکس پر رابطہ نہیں ہو سکتا، سیٹلائٹ سے لائنیں کٹی ہوئی ہیں۔ باہر سے کال آجاتی ہے۔ ہمارے پاس کیمرہ نہیں تھا، خیال ہوا کہ چھوٹا سا کام چلاؤ کیمرہ لے لیا جائے۔ کربلا جاتے ہوئے بازار گئے اور ایک دکان سے کیمرہ خریدا جو ایک ریل بھر چلنے کے بعد دوسری ریل میں بند ہو گیا، دکھانے پر معلوم ہوا کہ بیکار کیمرہ تھا جواب دے گیا۔ تقریباً تین ہزار روپے میں یہ کیمرہ ملا تھا۔

بغداد کی زیارت گاہیں

ہمارا پروگرام یہ تھا کہ سب سے پہلے کربلا، نجف اشرف اور کوفہ جائیں گے، اس کے بعد بغداد شریف کی زیارت گاہوں پر جائیں گے۔ یوں تو پورے عراق میں ایک ایک چپے پر بزرگان دین کے مزارات ہیں مگر بغداد میں بھی بہت سی زیارت گاہیں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ معروف روضہ مبارک غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور روضہ پاک امام اعظم ابو حنیفہؒ ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کا مزار بھی ہے۔ ان کے علاوہ روضہ امام غزالیؒ، روضہ بی بی زبیدہؒ ملکہ ہارون الرشید، روضہ شیخ جنید بغدادیؒ، روضہ شیخ معروف کرخیؒ، روضہ نبی اللہ یوشع علیہ السلام، روضہ حضرت سری سقطیؒ، روضہ حضرت خواجہ ابوبکر شبلیؒ، روضہ حضرت بہلولؒ دانا، روضہ شیخ عبدالجبار جیلانیؒ فرزند حضرت غوث اعظم اور جامع مسجد بغداد وغیرہ۔

کربلا میں

کربلائے معلیٰ کا سفر بذریعہ کار بغداد سے ڈیڑھ گھنٹہ میں طے ہوا۔ حضرت
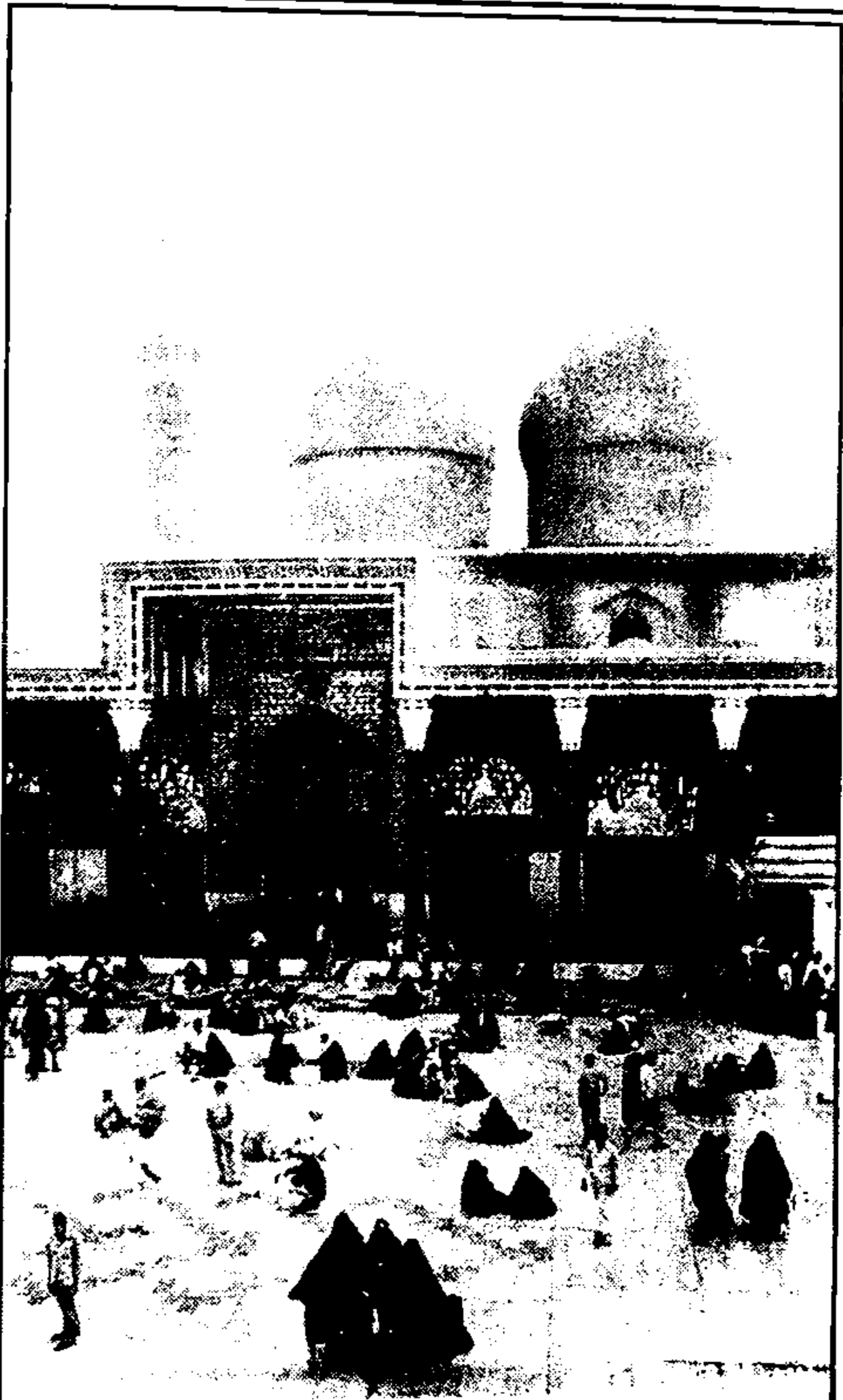
روضۂ مبارک حضرت موسیٰ کاظمؒ (کاظمین بغداد)

امام حسینؓ کی شہادت کے وقت یہ ایک چٹیل میدان تھا جہاں یزید کے لشکر نے نواسۂ رسولؐ کے قافلے کا راستہ روک لیا تھا اور پھر بیدردی سے شہید کر ڈالا۔ آج کربلا کوئی صحرائی میدان نہیں بلکہ ایک بڑا شہر ہے جہاں حضرت امام حسینؓ کا روضہ ہے اور اس کی زیارت کو ساری دنیا سے لوگ آتے ہیں۔ نواسۂ رسولؐ اور ان کے ساتھ دیگر اہل بیت پر کربلا میں یزیدی لشکر نے پانی بند کردیا تھا۔ آج کربلا میں پانی کی کوئی کمی نہیں۔ عالیشان عمارتیں بنی ہوئی ہیں اور بازار سجے ہوئے ہیں اور روضۂ حسینؓ کے اطراف ہر وقت زائرین کی چہل پہل رہتی ہے۔ خدام مزار ہمیں اس کوٹھری میں بھی

کربلا معلّٰی میں حضرت امام حسینؓ کا مزار
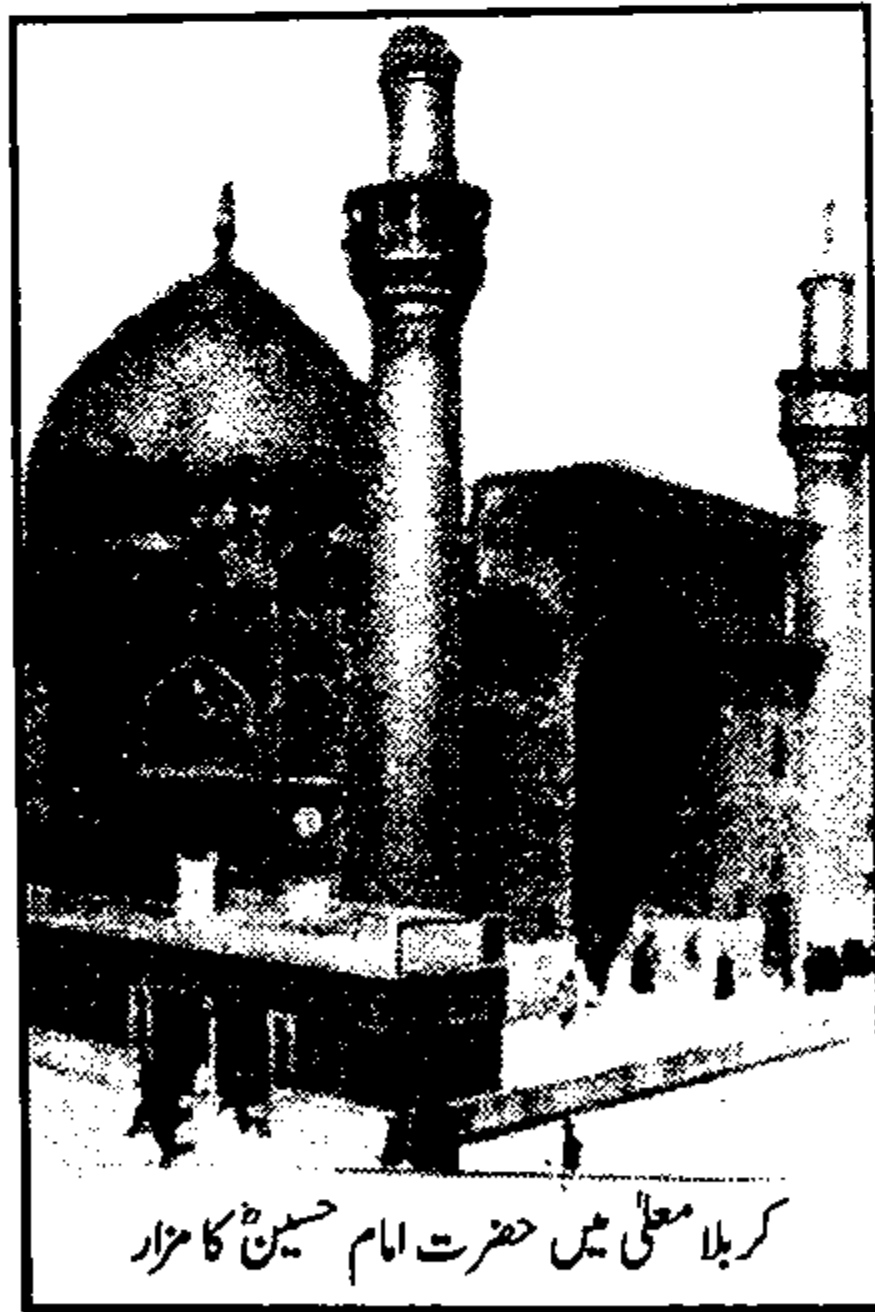
لے گئے جہاں عشرۂ محرم کو شمر لعین نے حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک کاٹا تھا۔ یہ کوٹھری مرقد حسینؓ کے قریب ہی واقع ہے اور زیارت گاہ ہے۔
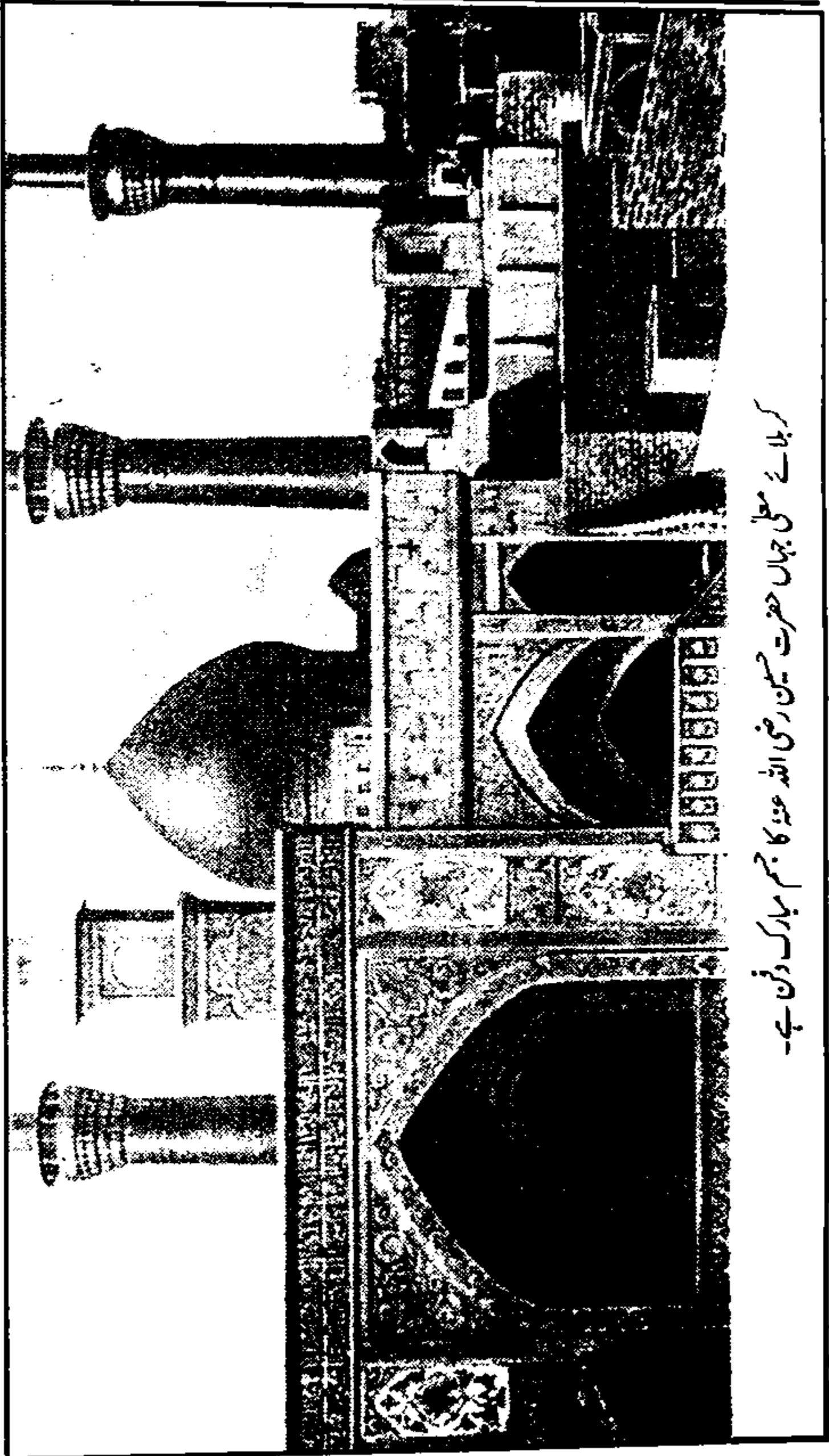
کربلائے معلیٰ جہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جسم مبارک دفن ہے۔

کربلا میں روضۂ اقدس حسینؓ کی عالیشان عمارت کے متصل داؤدی بوہرہ فرقہ کی انجمن فیض حسینی نے ایک بڑے رقبہ میں زائرین کے قیام کیلئے رہائشی کمپلکس تعمیر کیا ہے۔ دو عمارتیں "امۃ اللہ منزل" اور "صفوی منزل" کے نام سے مکمل ہو چکی ہیں۔ یہ عمارتیں ۱۹۹۰ء میں بننا شروع
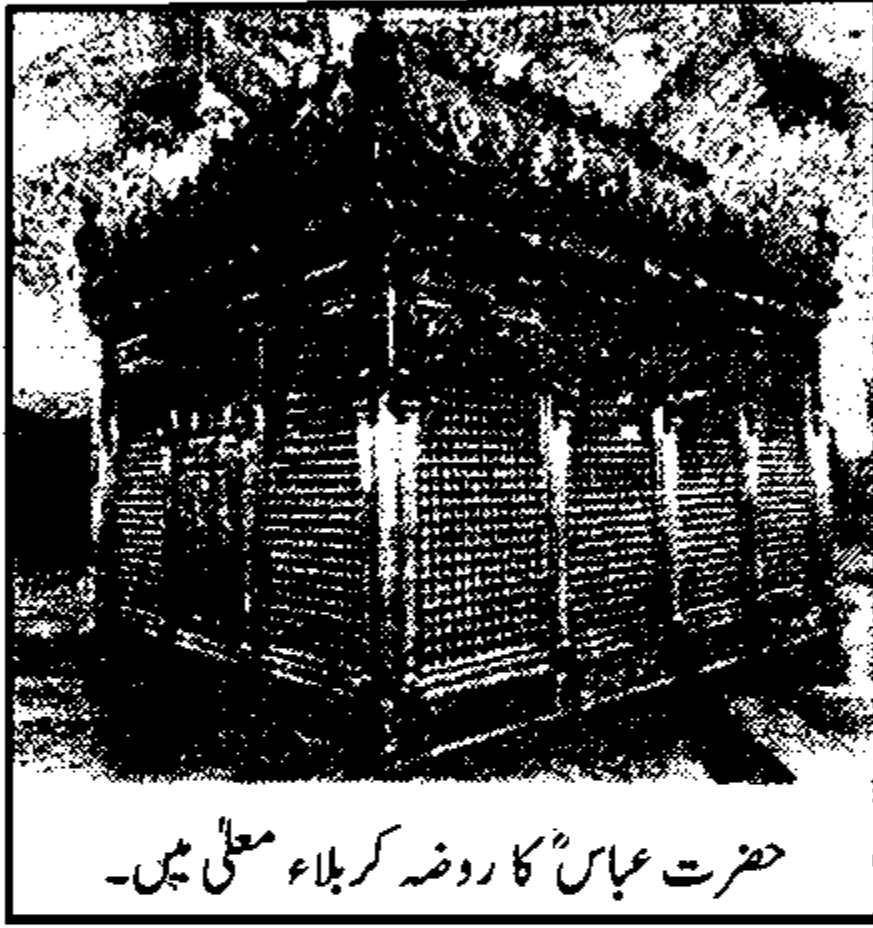
حضرت عباسؓ کا روضہ کربلاء معلّٰی میں۔

ہوئیں۔ ۱۹۹۱ء کی جنگ کے سبب تعمیر رک گئی تھی، اور ۱۹۹۶ء میں ان عمارتوں کا افتتاح ہوا۔ ابھی ایک اور ایسی ہی عمارت زیر تعمیر ہے، کام زور و شور سے چل رہا تھا۔ زائرین کیلئے نہایت عمدہ اور صاف ستھرے باتھ روم بنائے گئے ہیں۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق رات ہمیں کربلا میں بسر کرنا تھی مگر ہم نے اسی دن زیارت گاہوں سے فارغ ہو کر بغداد واپسی کا فیصلہ کیا۔ فیض حسینی آفس کے انچارج ملا محمد فخرالدین سعید نے ہمارا استقبال کیا اور دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد ہم حضرت امام حسینؓ اور حضرت عباسؓ کے مزارات پر حاضر ہوئے۔

شہدائے کربلا حضرت امام حسینؓ اور حضرت عباسؓ کے مزارات کی تعمیر اور تزئین قابل دید ہے۔ زائرین کثیر تعداد میں موجود تھے اور صلوٰۃ و

سلام کا سلسلہ جاری تھا۔ سیاہ عبا و قبا میں ملبوس سرخ رنگ کی ترکی ٹوپی، اس پر سبز رنگ کی پٹی باندھے ہوئے خادمین مزارات، زائرین کی صلوٰۃ و سلام اور فاتحہ خوانی میں مدد کرتے ہیں۔ یہ لوگ قد آور، سرخ و سفید رنگ کے وجیہ ہوتے ہیں۔ داڑھی کوئی نہیں رکھتا، لبوں پر ترشیدہ مونچھیں رکھتے ہیں۔ (عراق میں مشکل ہی سے کوئی داڑھی والا نظر آتا ہے، ہر شخص کے چہرے پر صدام حسین کٹ مونچھیں ہیں) مزارات، شہدائے کربلا کی زیارت میں مرد و عورت یکجا بھیڑ میں ہوتے ہیں۔ اور خادمین زیارت کرنے والوں سے نذرانہ طلب اور قبول کرتے ہیں۔ خدام نے ہمیں بتایا کہ زمانہ جنگ میں امریکی بمباری سے مزارات کو بھی نقصان پہنچا تھا مگر مرمت کا کام جلد مکمل کر دیا گیا۔ اس کیلئے ہر شخص صدر صدام حسین کی تعریف کر رہا تھا کہ ان کے دور میں عراق کے تمام مقاماتِ مقدسہ کی بہت اچھی دیکھ بھال ہو رہی ہے۔ انہیں مرمت کر کے بہتر حالت میں لایا گیا۔ صدام حسین نے فراخ دلی اور سخاوت سے مقامات مقدسہ پر دولت صرف کی ہے۔

حضرت امام حسینؓ اور حضرت عباسؓ کے مزارات کی عمارت کے گنبدوں اور میناروں پر سونا چڑھایا گیا ہے۔ مزار حسینؓ کی زینت پر ۳۲ کیلو سونا اور ۲۰۰ کیلو چاندی لگائی گئی۔ اس کے علاوہ ۲۱ عدد بہت ہی قیمتی فانوس آویزاں کئے گئے۔ مزار حضرت عباسؓ پر بھی ۴۴ کیلو سونا چڑھایا گیا اور بڑی مقدار میں چاندی کا کام کیا گیا۔ ہم لوگ دیر تک مزارات پر رہے اور صلوٰۃ و سلام و فاتحہ خوانی کی۔ اس کے بعد باہر نکل کر بچوں میں ٹافیاں اور بسکٹ وغیرہ تقسیم کئے۔ جو اسی مقصد سے ہم عمان سے لے کر چلے تھے۔ جیسا کہ ایسے مقدس مقامات پر ہر جگہ کا دستور ہے شہید کربلا کے مزار کے سامنے بھی فقراء و مساکین کا ہجوم تھا۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، بچوں کی تعداد زیادہ تھی۔ سردی کے موسم میں بھی زیادہ تر غریب غربا ننگے
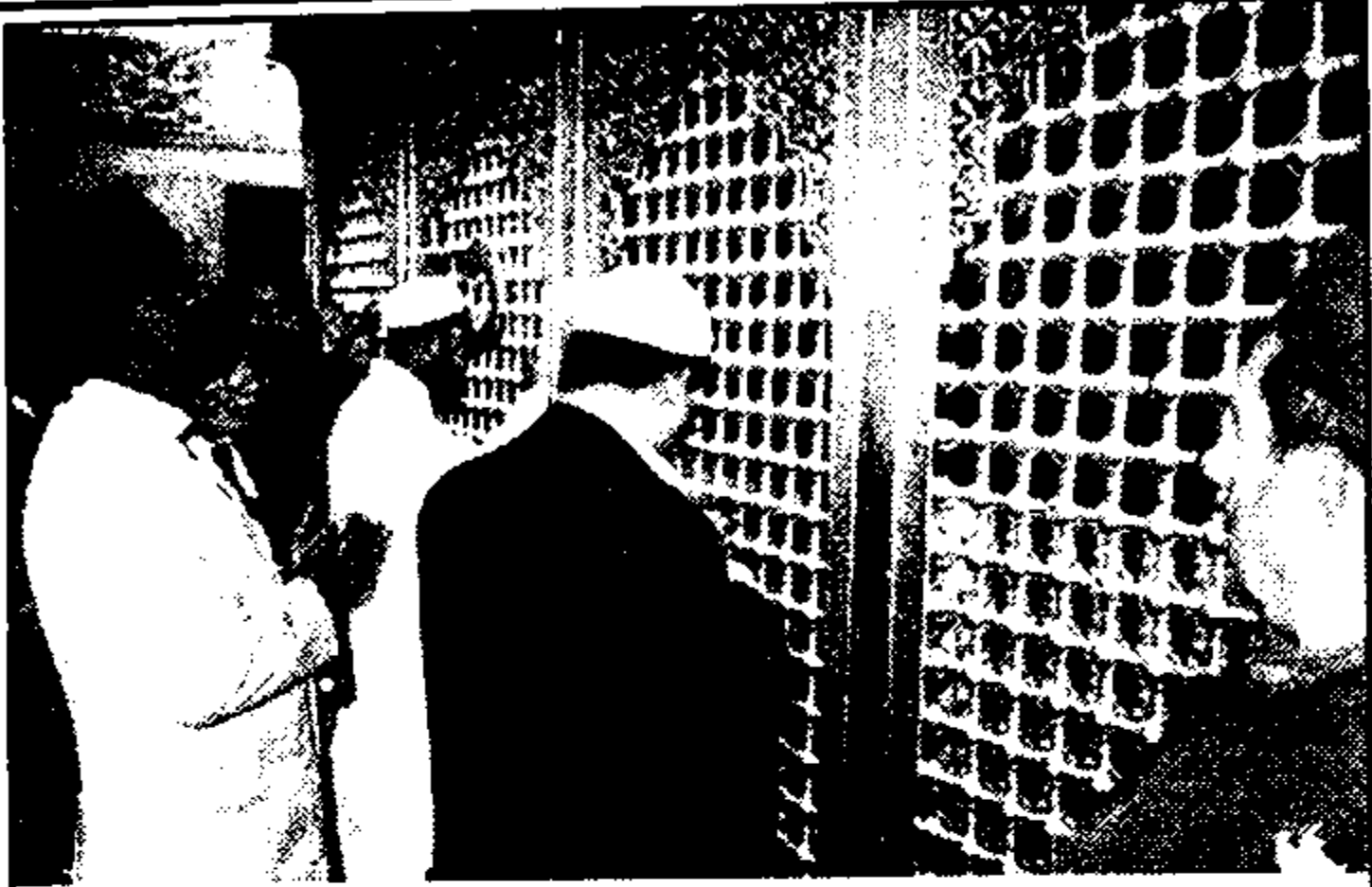
مزار امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کلیم الدین شمس فاتحہ پڑھ رہے ہیں

کربلا میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک پر
فاتحہ خوانی کرتے ہوئے۔

پاؤں اور پھٹے پرانے کپڑوں میں تھے۔ جنگ اور پھر سات سال کی اقتصادی ناکہ بندی نے عراقیوں کا جو برا حال کیا ہے اس کا سب سے زیادہ مظاہرہ زیارت گاہوں کے آس پاس موجود لوگوں میں ہوتا ہے جہاں لوگ بے روزگاری اور تنگ دستی سے مجبور ہو کر پیٹ پالنے کیلئے ایسی جگہوں پر باہر سے آنے والوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہیں۔

کربلا میں حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کے روضوں کے علاوہ علی اکبر و علی اصغر کے مزارات، روضۂ حضرت حبیب بن مظاہرؓ، روضۂ حضرت حر اور چلہ حضرت امام جعفر صادق اور دیگر بزرگان دین کے مزارات ہیں۔ وقت کی کمی کے سبب ہم روضۂ امام حسینؑ اور روضۂ عباسؑ کے سوا اور جگہوں پر نہیں جا سکے۔

نجف اشرف

کربلائے معلیٰ کی زیارت سے فارغ ہو کر ہم نجف اشرف پہنچے۔ کربلا سے نجف اشرف تک فاصلہ بھی کوئی گھنٹہ بھر میں گاڑی سے طے ہوا۔ یہاں خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار مبارک ہے۔ یہ بھی ایک عالیشان اور وسیع عمارت ہے جس کی سجاوٹ کیلئے خدام مزار کے بیان کے مطابق صدر عراق صدام حسین نے ۵۰ کیلو سونا اور ۱۰۰ کیلو چاندی دی۔ مزار مبارک کی عمارت میں شیشہ گری قابل دید ہے اور یہ بھی صدام حسین کے حکم سے ہوئی۔ وہ خود بھی زیارت کیلئے آتے رہے ہیں۔ عمارت کے اندر قیمتی فانوس اور قالین صدام نے ہدیۂ کئے ہیں۔ حضرت علیؓ کے مزار کے سامنے پہنچ کر فرط جذبات سے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ حضرت علیؓ کی شجاعت، عظمت اور سادگی کے واقعات ذہن میں کوندے کی طرح لپکنے لگے۔ ان کے مزار پر بہت ہجوم تھا۔ ہمارے
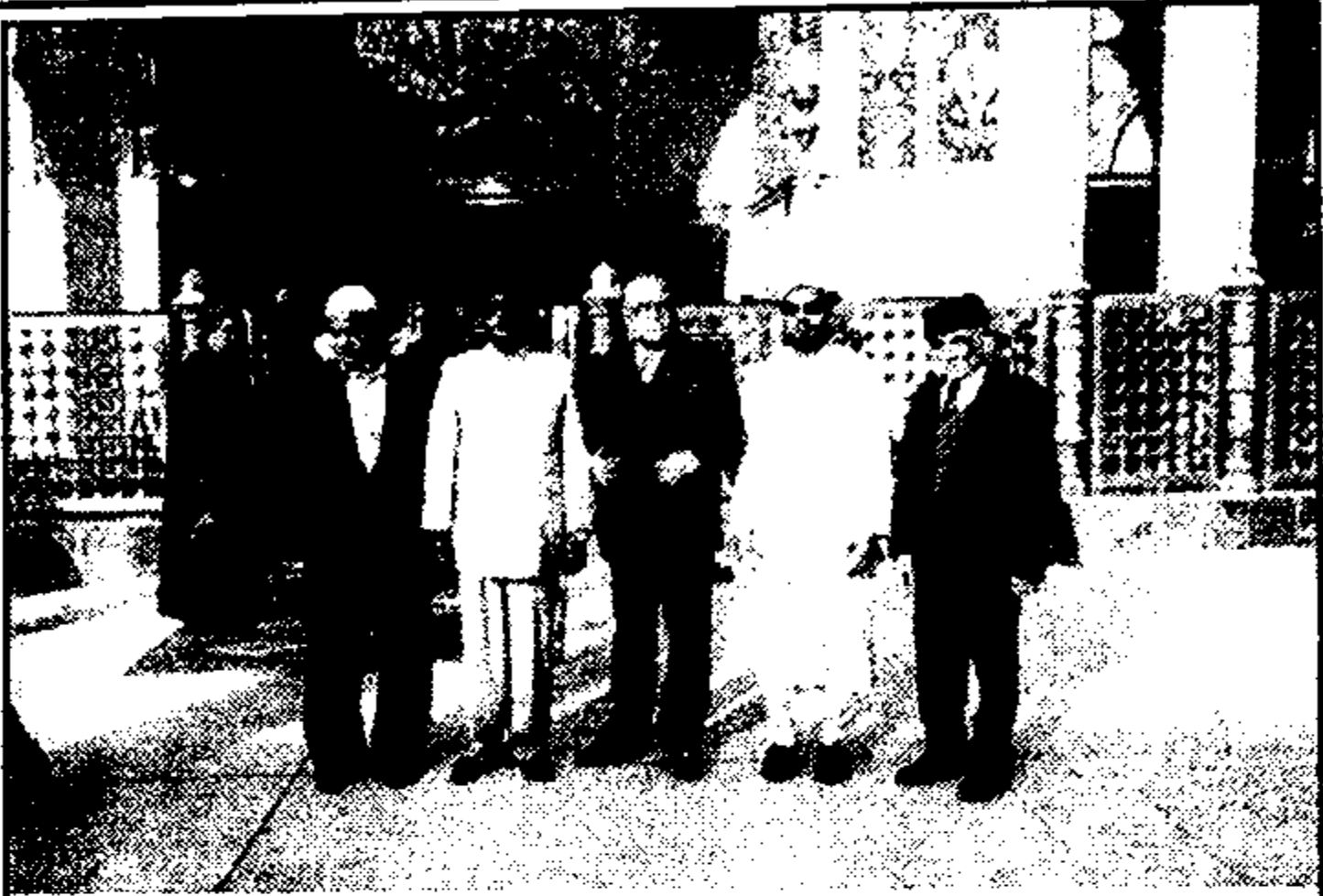
کربلا میں روضۂ امام حسینؓ پر (دائیں سے) صالح رمضان (عمو)
ملا محمد فخر الدین (انچارج فیض حسینی انجمن) احمد سعید ملیح آبادی، کلیم الدین شمس، جمشید علی ملا۔
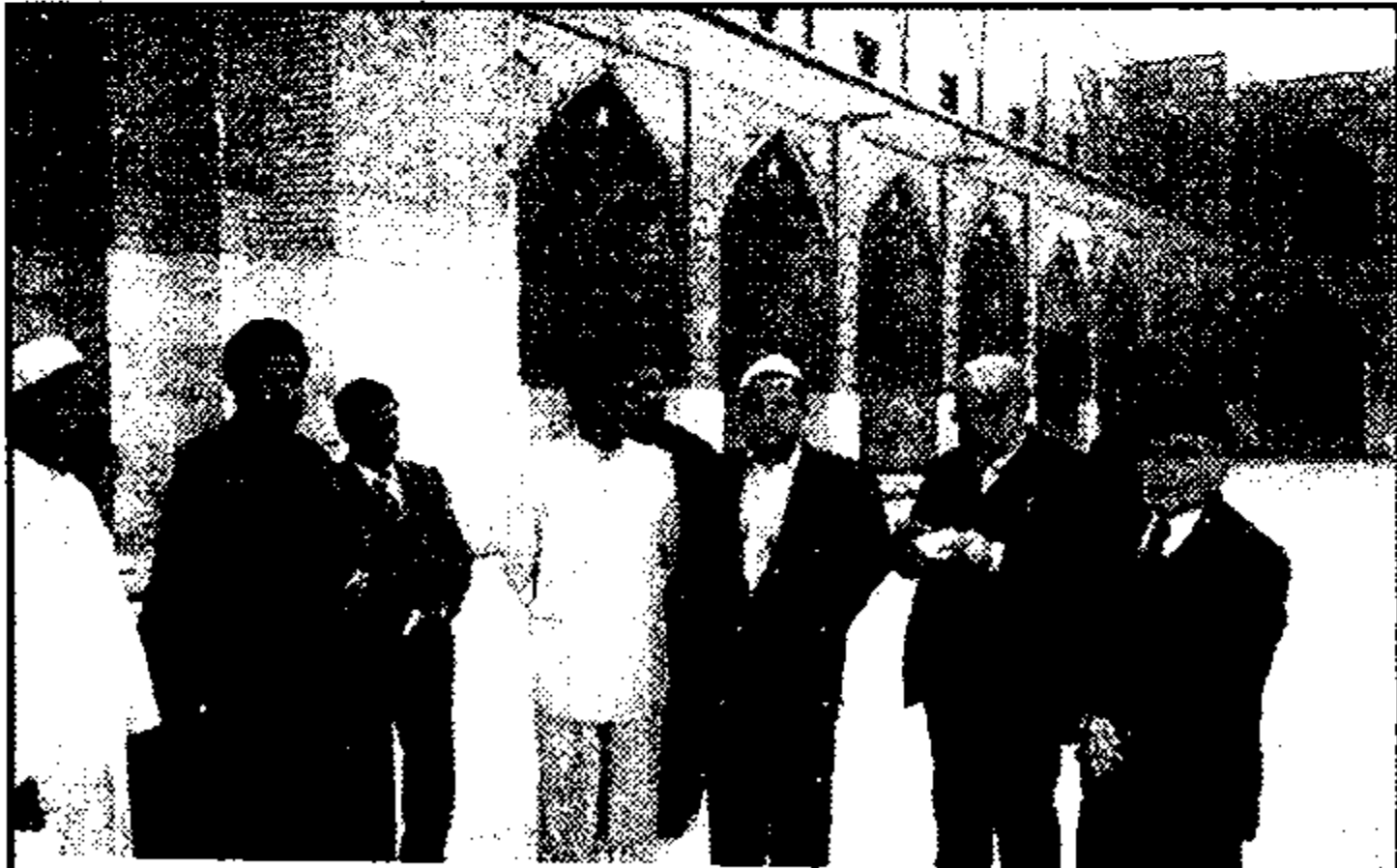
کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار مبارک کے باہر۔
دائیں سے بائیں: صالح رمضان (عمو) احمد سعید ملیح آبادی، جمشید علی ملا، کلیم الدین شمس اور دوسرے لوگ۔

سامنے چند منٹ کے وقفے سے تین جنازے لائے گئے اور انہیں مرقد حضرت علیؓ کا طواف دے کر دفن کیلئے لے جایا گیا۔ بتایا گیا کہ بعض ضعیف لوگ باہر ملکوں سے آکر پھر اس لئے واپس نہیں جاتے کہ وہاں مرنے کے بعد کربلا اور نجف اشرف میں دفن کئے جائیں گے۔ ایسے کئی لوگ اپنی موت
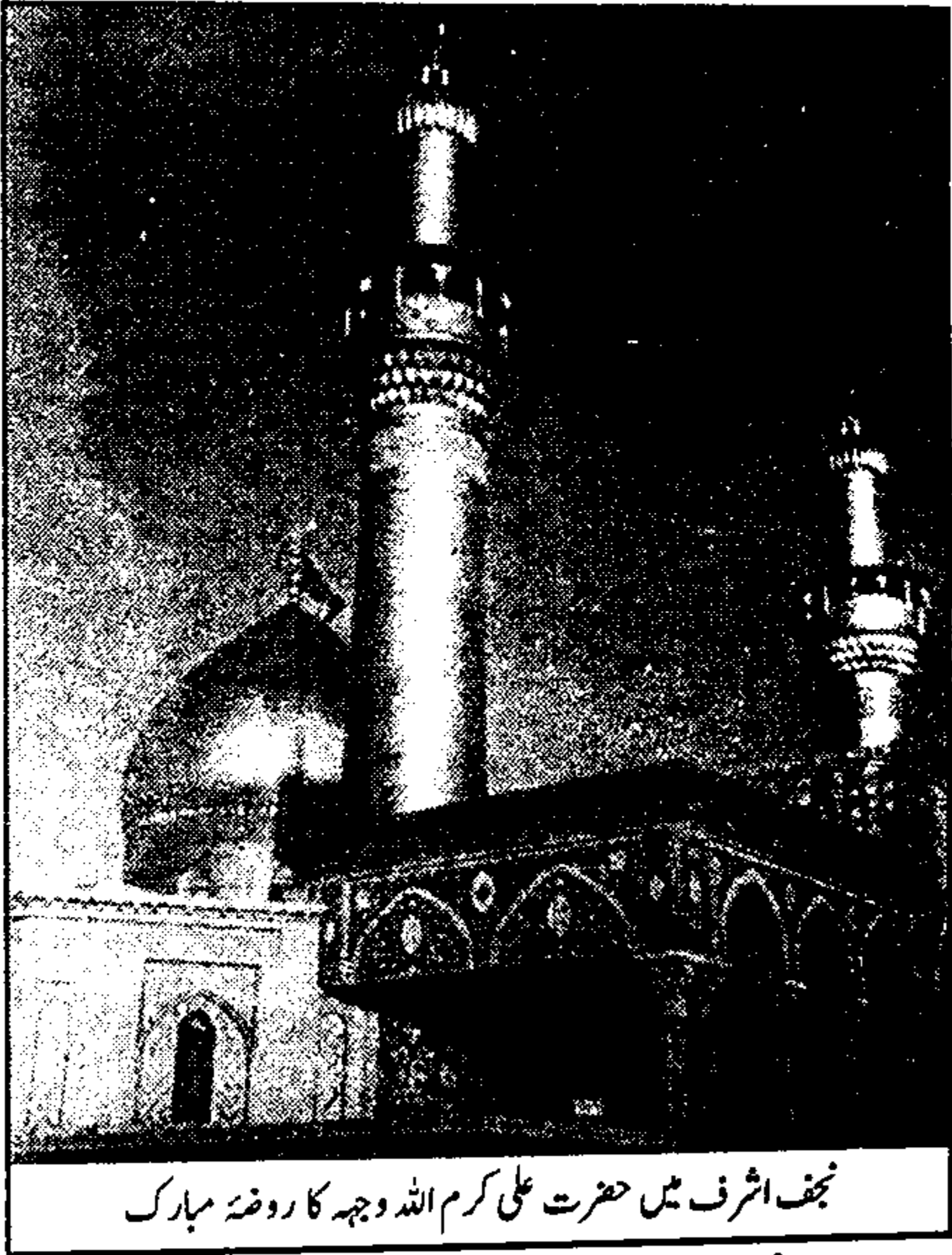
نجف اشرف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا روضۂ مبارک

کے انتظار میں نجف میں موجود تھے۔ یہاں نواب رام پور نے احاطے کے ایک گوشے میں اپنا خاندانی قبرستان بنایا ہے جس کی چھت اور چہار دیواری ہے۔ اس میں رام پور خاندان کے بعض افراد دفن بتائے جاتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں مدینہ کی جگہ کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ کوفہ، نجف اشرف سے قریب ہی بستی ہے۔ یہاں ایک محل نما عالیشان مکان تھا جس میں رہنے سے حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ انہیں اتنے بڑے مکان کی ضرورت نہیں۔ یہ محل گر کر زمین کے برابر ہوگیا ہے، اس کی صرف بنیادیں باقی ہیں جن سے عمارت کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی کھنڈر کے کنارے ایک چھوٹا سا پختہ مکان
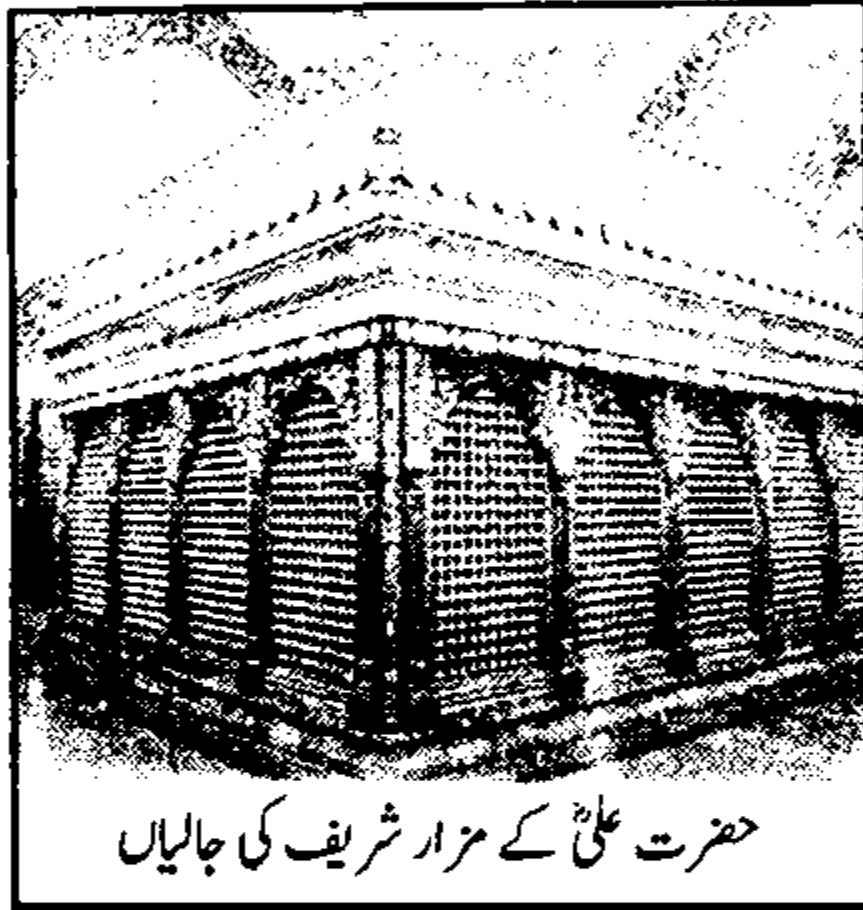
حضرت علیؓ کے مزار شریف کی جالیاں

ہے جس میں خلیفہ چہارم حضرت علیؓ اپنے اہل و عیال کے ساتھ قیام فرما تھے۔ اسی جگہ وہ مسجد ہے جس میں نماز پڑھتے وقت عبدالرحمٰن بن ملجم نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے حضرت علی پر حملہ کیا اور کاری زخم لگایا۔ تلوار کا زخم کھانے پر حضرت علی کی زبان سے بے ساختہ نکلا تھا "رب کعبہ کی قسم، میں کامیاب ہوگیا"۔ ۲۱ر رمضان کو قاتلانہ حملہ میں زخم آیا اور ۲۹ر رمضان کو حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی۔

جس محراب میں حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا وہ "محراب شہادت" کہلاتی ہے اور اس کی سجاوٹ پر ۷۰ کیلو سونا صدام حسین نے

صرف کیا ہے۔ مسجد مسلم بن عقیل کی سجاوٹ کیلئے صدام حسین نے ۱۶۰ کیلو سونا دیا۔ اسی مسجد کے مہمان خانہ میں کوفہ کے قائم مقام گورنر نے ہمارا استقبال کیا۔ اس موقع پر کلیم الدین شمس صاحب نے عراقی عوام کیلئے ہندستانی عوام کی حمایت و تائید میں ایک مختصر و موثر تقریر کی جسے گورنر موصوف نے بہت سراہا۔ مہمانوں کی چائے سے ضیافت کرنے کے بعد گورنر کوفہ ہمیں کار تک چھوڑنے باہر آئے۔

بیت علیؓ

حضرت علیؓ کے چھوٹے سے گھر میں تین چار کمرے کوٹھری نما ہیں۔ ایک کمرہ وہ ہے جس میں زخمی ہونے کے بعد شیر خدا کو لٹایا گیا۔ دوسرا کمرہ وہ ہے جس میں غسل دیا گیا۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تلاوتِ قرآن کیلئے مخصوص تھا۔ یہاں کے خدام نے بتایا کہ اس جگہ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ بھی تلاوت قرآن کرتے تھے۔ اس حجرے میں چند کتابیں بھی الماری میں رکھی تھیں۔ مکان کے اندر ایک کنواں ہے جس سے لوگ تبرکاً پانی بھر کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مکان کے باہر بیر علی کا پانی بھر کر ساتھ لے جانے کیلئے پلاسٹک کی ٹنکیاں فروخت ہو رہی تھیں۔ کوفہ اور نجف اشرف کے درمیان فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔ ابن ملجم کے حملے کے بعد حضرت علیؓ کو کوفہ سے نجف اشرف لے جاکر دفن کیا گیا۔ آج یہ دونوں جگہیں زیارت گاہ ہیں جہاں لوگ عقیدت و احترام سے آتے ہیں اور روحانی فیض پاتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت تک مدینہ منورہ، اسلام کا دارالخلافہ تھا۔ حضرت علیؓ خلیفہ چہارم ہوئے تو شام میں امیر معاویہؓ گورنر تھے۔ وہ بھی خلافت کے دعویدار بنے۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ کی نوبت آگئی۔ شام، عراق و ایران کی فتوحات کے بعد اسلامی سلطنت بہت
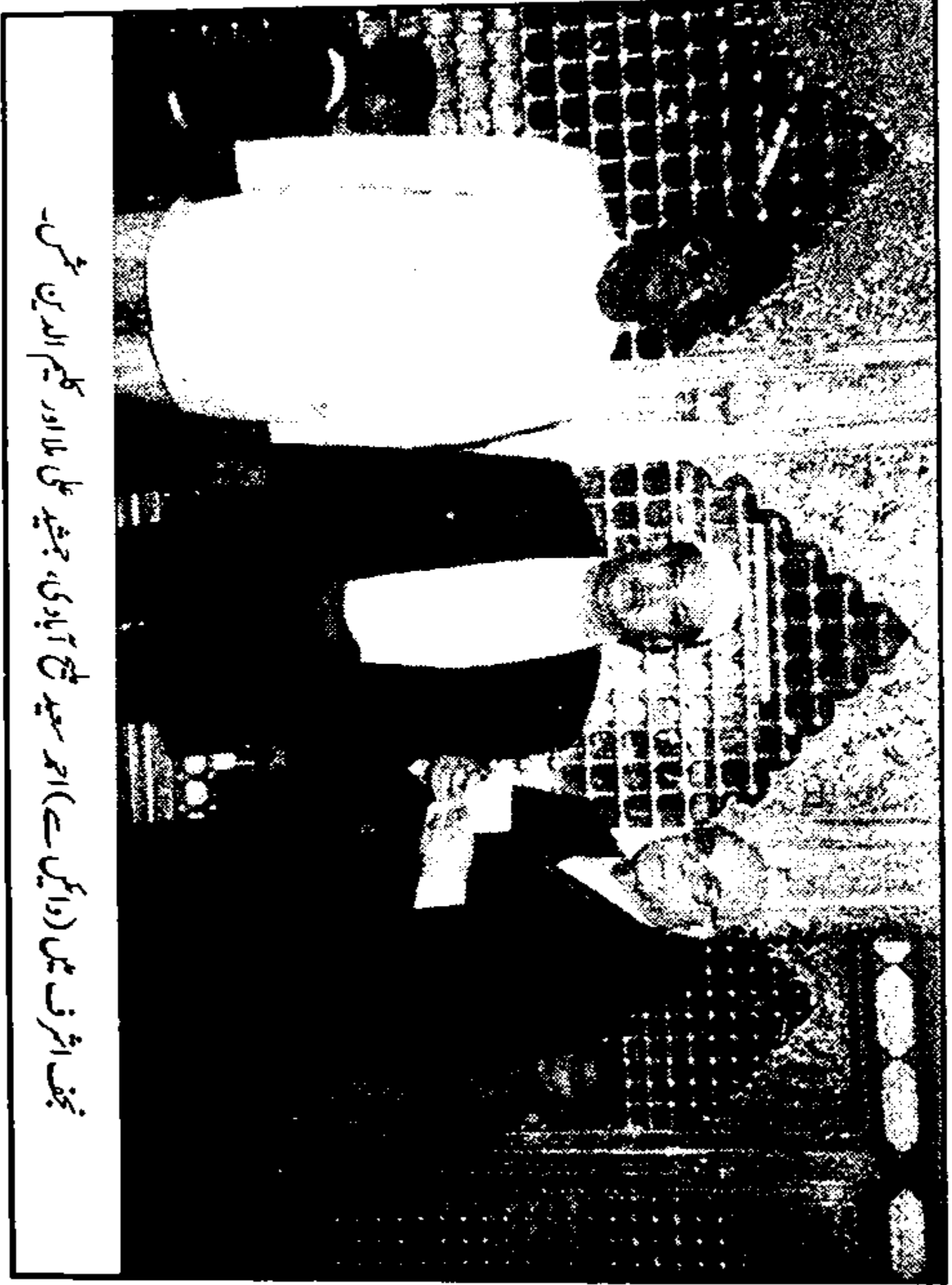
نجف اشرف میں (دائیں سے) احمد سعید ملیح آبادی، جمشید علی ملا اور کلیم الدین شمس۔

نجف اشرف میں روضۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے باہر (دائیں سے) جمشید علی ملا، کلیم الدین شمس اور احمد سعید ملیح آبادی
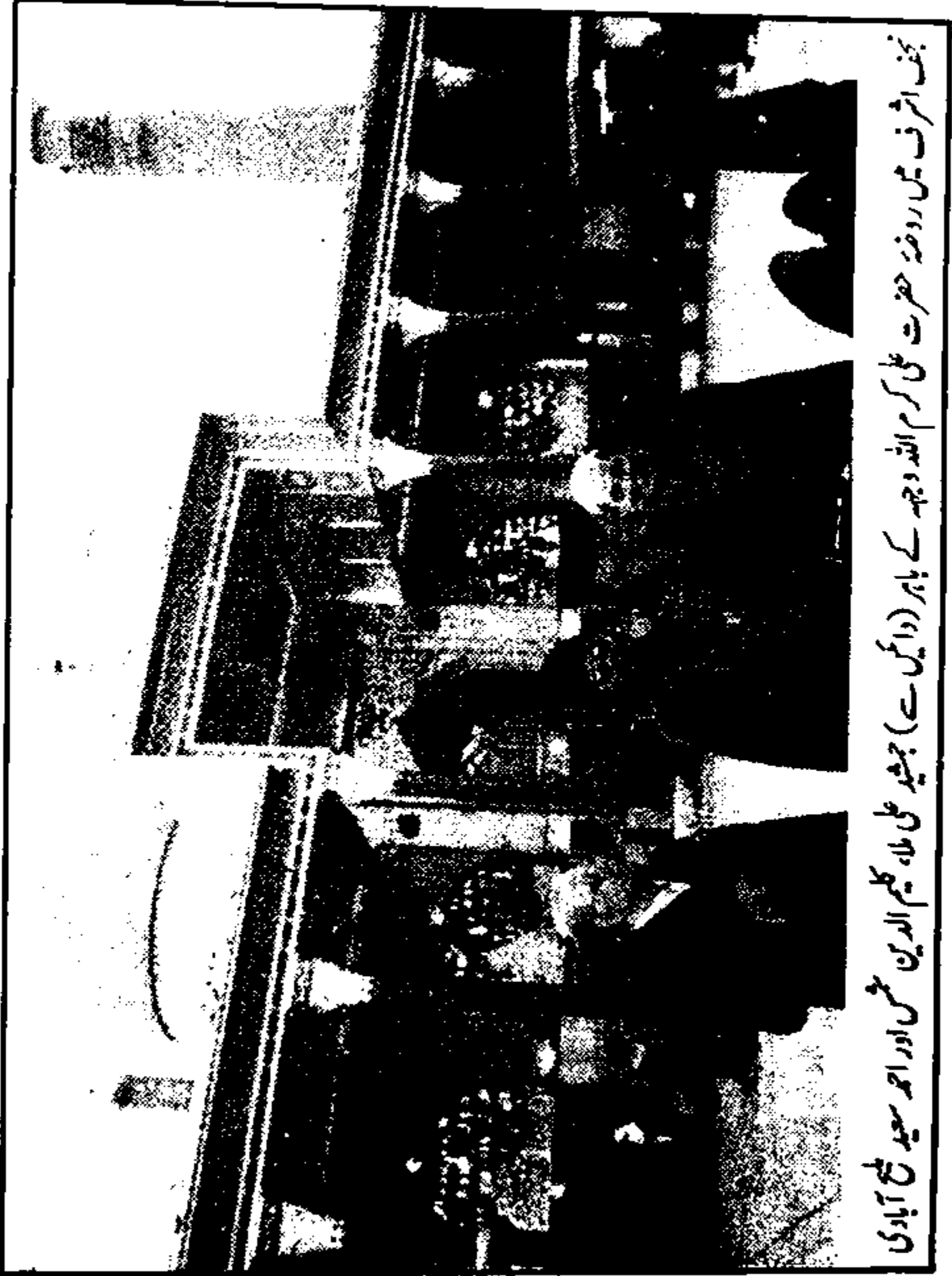
پھیل گئی تھی۔ دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کردینے سے خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کو مشکلات کا سامنا تو کرتا پڑا کہ مرکز اسلام سے سیکڑوں میل دور شہر کوفہ کو اپنا مستقر بنایا۔ لیکن تاریخ نے ثابت کردیا کہ حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ کہ دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل ہو، غیبی اشارے سے تھا کیونکہ بنی امیہ اور بنی عباسیہ میں صدیوں تک جنگ اقتدار لڑی جاتی رہی جس کی ابتدا جنگ صفین سے ہوئی اور کربلا کے واقعات شہادت عظمیٰ سے لے کر کوفہ، دمشق اور بغداد تک شاہی جنگوں میں بے حساب خوں ریزیاں ہوتی رہیں۔ اگر دارالحکومت مدینہ منورہ رہتا تو وہ بھی مسلسل جنگوں کی لپیٹ میں رہتا۔ لہٰذا حضرت علیؓ کا مدینہ سے کوفہ منتقل ہونا بعد کو پیش آنے والے واقعات کے سبب تائید غیبی سے تھا۔

کربلا، نجف اشرف اور کوفہ میں زیارت سے فارغ ہو کر ہم لوگ رات میں بغداد واپس آگئے۔ دن بھر کے تھکے ماندے تھے۔ ہوٹل میں ہلکا پھلکا کچھ کھا کر سو رہے۔ دوسری صبح ۲۳ر دسمبر کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر حاضری کا پروگرام بنا۔

بغداد ایک تاریخی شہر ہے جس نے خلافت اسلامیہ میں جلیل القدر صحابۂ کرام اور بزرگان دین کا دور دیکھا۔ چپہ چپہ پر اسلامی آثار موجود ہیں اور مزارات ہیں۔ پرانے بغداد کے علاقے میں غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار ہے جس کے ساتھ ان کا قائم کیا ہوا مدرسہ اور مسجد بھی ہے۔ کافی زائرین موجود تھے۔ وہاں کے خدام کو جب معلوم ہوا کہ ہندستان سے ایک وزیر اور ایک مدیر آئے ہیں تو انہوں نے شیخ عبدالجبار کلید بردار کے وکیل سید عبدالرحمٰن بن شیخ کاظم کو خبر بھیجی، وہ فوراً تشریف لے آئے اور غوث اعظم کا مزار مبارک خاص ہمارے لئے کھولا۔ سید عبدالرحمٰن موذن اور امام نمازِ فجر بھی ہیں۔ نوجوان ہیں اور اردو میں بات چیت کر لیتے ہیں۔

کوفہ کی مسجد کے اندر گورنر کوفہ کے ہمراہ۔

مزار شیخ جیلانیؒ پر ایک خوشنما سنہری جالی نصب ہے۔ خادم مزار نے بتایا کہ یہ جالی ۱۹۸۷ء میں پاکستان سے بن کر آئی تھی۔ حجرے کے دو گوشوں میں چاندی کے دو ستون رکھے ہیں جو بمبئی سے ایک عقیدت مند سید عمر بن سید عباس قادری نے بھیجے ہیں۔ جس حجرے میں مزار شیخ جیلانیؒ ہے ہم اس میں دیر تک ذکر و دعا میں مصروف رہے۔ کلیم الدین شمس صاحب نے استغراق کے عالم میں تادیر دعا کی پھر سب نے فاتحہ پڑھی اور وہاں سے رخصت ہوئے۔ اس جگہ کی ایک اہم خصوصیت ہے جس کا ذکر ضروری ہے۔ اسے اسلام کے ایک جلیل القدر بزرگ شیخ عبدالقادر جیلانی کی زندہ کرامت سمجھنا چاہئے کہ مزار کے ساتھ مدرسہ قادریہ اور قدیم و جدید کتب کا ایک نادر و نایاب ذخیرہ ہے، اسی کے ساتھ مختلف اماموں سے منسوب مصلے ہیں جو مسجد مالکی، مسجد حنبلی، مسجد شافعی اور مسجد حنفی کہلاتے ہیں۔ یہاں مسلک کا کوئی بھید بھاؤ اور اختلاف نہیں جس کا جہاں دل چاہے نماز پڑھے، کوئی روک ٹوک نہیں۔ جماعت کے وقت یکجا جماعت ہوتی ہے۔ مختلف مصلوں پر ہم نے متعدد لوگوں کو نفل نماز پڑھتے اور تلاوت
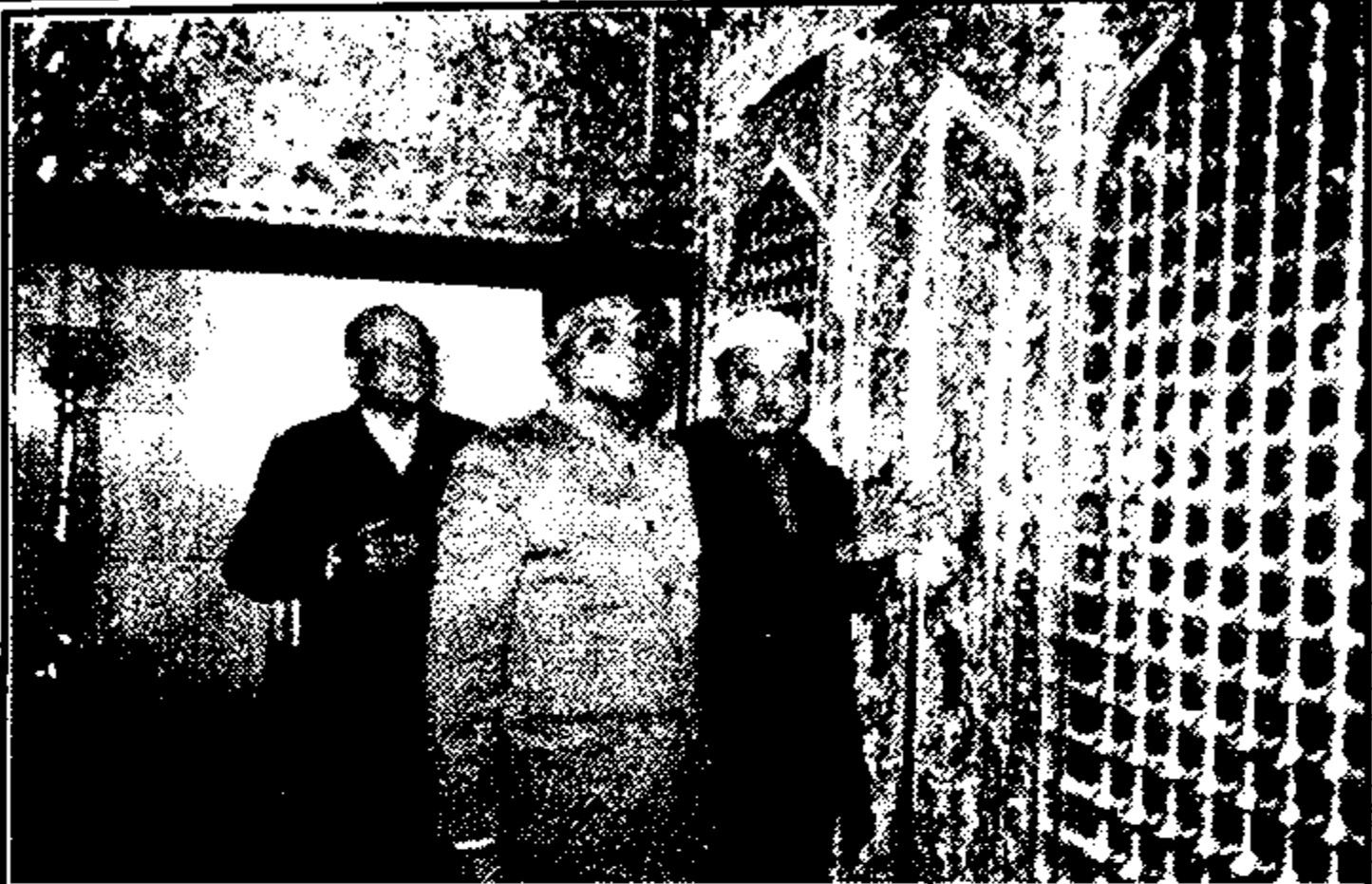
غوث پاک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے بعد۔

قرآن مجید میں مصروف دیکھا۔ عام طور پر ہمارے ملک میں مزارات پر عقیدت کا اظہار جیسے طریقوں سے کیا جاتا ہے ویسا وہاں کچھ نہ پایا۔ لوگ مزار سے متصل مسجد کے اندر نماز، تلاوت اور ذکر میں مصروف تھے۔ پورا ماحول انتہائی عقیدت واحترام کا اور روحانی و اسلامی تھا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (سلسلہ قادریہ کے بانی) جن کا شمار اولیائے کرام اور صوفیائے عظام میں ہوتا ہے، کی ولادت ایران کے علاقہ جیلان میں یکم رمضان المبارک ۴۷۰ھ (مطابق ۱۰۷۷ - ۱۰۷۸ء) کو ہوئی۔ سلسلہ نسب حضرت امام حسنؓ سے ملنا بتایا جاتا ہے۔ والد کا نام ابوصالح موسیٰ جنگی (زنگی؟) تھا۔ والدہ اُمّ الخیر امتہ الجبار فاطمہ تھیں۔ ۱۸ سال کی عمر میں تکمیل علم کی غرض سے ۴۰ دینار والدہ سے لیکر جیلان سے بغداد کیلئے روانہ ہوئے۔ ۵۲۸ھ سے اپنے معلم و مرشد قاضی ابوسعید المخزومی کے قائم کردہ مدرسہ کو شیخ نے سنبھالا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی فقہ کے مطابق

فتوے لکھتے۔ آپ نے تصوف کو واضح اور سادہ اسلوب دیا۔ آپ سے کشف و کرامات کے بہت سے واقعات منسوب ہوئے اور ہر سو شہرتِ فیض پھیل گئی۔

مزار امام اعظم ابو حنیفہؒ

غوث اعظم کے آستانہ پر حاضری کے بعد ہم لوگ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ یعقوب بن ابراہیم کے مرقد پر بھی گئے۔ یہ مزارات بھی شاندار عمارتوں میں موجود ہیں اور ان کی صفائی وغیرہ کا بہت اہتمام ہے۔ پھر یہاں سے کاظمین گئے جہاں محمد الجواد اور موسیٰ الکاظم کے مزارات ہیں۔ اسی کے متصل مزار ابویوسف بھی ہے۔ امام غزالیؒ کا مزار بھی بغداد میں ہے۔ اس کی عمارت ہم نے فلائی اوور سے گزرتے ہوئے دور سے دیکھی۔ جانے کا موقع نہیں ملا۔

خلیفہ ابو جعفر منصور نے بغداد شہر بسانے کے بعد امام ابو حنیفہؒ کو کوفہ سے بغداد بلوایا اور حکم دیا کہ آپ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول فرمالیں۔ مگر امام صاحب نے منصب قبول نہ کیا اور معذرت کردی تو خلیفہ نے ناراض ہو کر امام کو قید کردیا۔ خلیفہ کا اصرار اور امام ابو حنیفہؒ کا انکار جاری رہا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ روزانہ جیل سے باہر لاکر دس کوڑے لگائے جائیں اور بازاروں میں گھمایا جائے۔ خون سے لت پت امام اعظم کو بازاروں میں گشت کرایا جانے لگا، جیل میں کھانے میں بھی تنگی کردی گئی۔ دس دن تک اذیت کا یہ سلسلہ چلا اور تکلیف برداشت سے باہر ہوگئی تو امام نے اللہ سے فریاد کی کہ ابوالمنصور کے ظلم و زور سے انھیں نجات دلائے۔ اس دعا کے پانچ دن بعد آپ اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔ قاضی ابو عبداللہ صمیری نے روایت کی ہے کہ خلیفہ کے حکم سے امام کو زہر پلایا گیا اور آپ کی وفات ہو گئی۔ ایسے جلیل القدر عالم دین اور فقیہ کے ساتھ خلیفہ منصور کا یہ سلوک تاریخ اسلام کا ایک کربناک واقعہ ہے۔ خلیفہ منصور کا نام لیوا آج کوئی بھی

بغداد میں غوث پاک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ خوانی۔ کلیم الدین شمس بیٹھے ہیں۔ دائیں جانب احمد سعید ملیح آبادی، جمشید علی ملا اور موذن سید عبدالرحمٰن سعید۔

نہیں، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ماننے والے کروڑوں مسلمان ہیں اور آج بغداد میں آپ کا عالی شاہ مقبرہ عقیدت مندوں سے بھرا رہتا ہے۔

گرونانک کی کٹیا

ہم نے پڑھا تھا کہ گرونانک ہندستان سے حج کے ارادے سے حجاز گئے تھے اور دورانِ سفر آپ نے بغداد میں قیام کیا تھا۔ جس جگہ گرونانک کی کٹیا ہے وہیں مرقد شیخ بہلول الکوفی بن عمر ہے۔ یہ جگہ ریلوے یارڈ کے اندر شہر کے مضافات میں ہے۔ دو تین کمروں کی یہ چھوٹی سی ایک منزلہ عمارت ہے۔ وہاں کے خدام نے ہمارے لئے گرونانک کی کٹیا کا مقفل دروازہ کھولا، یہاں گرونانک اور گروگوبند سنگھ کی تصویر کے سوا اور کوئی آثار نہیں ہیں۔ گرنتھ صاحب کا پاٹھ کرنے کیلئے چوکی رکھی ہے۔ یہ کوٹھری اب زیادہ تر بند رہتی ہے۔ خلیجی جنگ سے پہلے عراق میں سکھ کافی تعداد میں تھے۔ سکھ اور دوسرے عقیدت مند بڑی تعداد میں اور خاص کر تہواروں کے موقع پر گرونانک کی کٹیا کے درشن کرنے آیا کرتے تھے، اب کبھی کبھار کوئی بھولا بھٹکا سیاح آجاتا ہے۔ عراق میں تو کوئی سکھ نظر نہیں آیا۔ عمان میں ایک سکھ کو راستے میں کھڑے دیکھا اور عمان ائرپورٹ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں دو سردار جی کھانا کھاتے ہوئے نظر آئے۔ ہماری طرح وہ بھی مسافر تھے۔

مرقد سلمان فارسیؓ

صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلمان فارسیؓ کا مزار مدائین شہر میں ہے جو بغداد سے ۶۰ کیلو میٹر کی دوری پر ہے۔ جہاں جانے کی تلقین وزیر مذہبی امور عبدالمنعم صاحب نے کی تھی۔ لہٰذا ہم ۲۴ر دسمبر کو عمّو کو لے کر مدائین روانہ ہوئے۔ اس جگہ کا پرانا نام "سلمان پاک" ہے۔ اب مدائین کہلاتا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار کی عمارت کی تجدید ہو

گرو نانک جی کی کٹیا

رہی ہے۔ مزار کے اطراف میں دکانیں ہیں۔ چند اور سیاح بھی آئے ہوئے تھے، ان کی گاڑیاں پارک تھیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار کے پاس دیگر مزارات بھی ہیں۔ صحابی عبداللہ بن جابرالانصاری کا مزار ہے جن کا سلسلہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے۔ ایک جانب دو قبریں ہیں: مرقد محمد طاہر بن الامام محمد باقر ابن الامام علی بن الامام الحسین علی بن ابی طالب۔ ایک مزار تنہا ہے۔ مرقد صحابی حذیفہ الیمانی۔

حضرت سلمان فارسیؓ کا صحابی رسولؐ کی حیثیت سے بڑا مرتبہ ہے۔ آپ کے متعلق ایک حدیث شریف ہے کہ ان کا عشق رسول اور شوقِ جہاد دیکھ کر ایک دفعہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "جنت تین آدمیوں کا اشتیاق رکھتی ہے۔ علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ"۔ ایک اور موقع پر حضورؐ نے انہیں "سلمان الخیر" کا لقب عطا فرمایا۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایرانی النسل تھے۔ اصفہان کے پاس ایک نواحی قریہ "جی" میں آتش پرستوں کے ایک متمول خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بوذخشان، دربار ایران میں بڑا رسوخ رکھتے تھے اور بڑے زمیندار ہونے کے ساتھ ایک بڑے آتشکدے کے انچارج بھی تھے۔ بوذخشان اپنے بیٹے "مابہ" کو بہت عزیز رکھتے۔ یہ لڑکا ہر وقت آتشکدہ میں آگ جلانے میں مصروف رہتا۔ یہی لڑکا آگے چل کر جلیل القدر صحابی رسول سلمان فارسیؓ بنا۔

مابہ ایک دن عیسائیوں کے گرجے میں گیا اور ان کا طریقۂ عبادت ایسا بھایا کہ آتش پرستی چھوڑ کر عیسائیوں سے جا ملا۔ تلاشِ حق میں یہ لڑکا بھٹکتا ہوا ایران سے شام اور مختلف پادریوں کی صحبت میں رہ کر آخر کار رسول اللہؐ کی بعثت کی خبر سن کر مدینہ منورہ پہنچا اور خدمت رسالت میں حاضری دی۔ آپؐ نے مابہ کو مشرف بہ اسلام کیا اور اسلامی نام سلمان رکھا۔ سلمان اس وقت تک مدینہ کے ایک یہودی کی غلامی میں تھے۔ اس لئے بدر و احد کے

مزار حضرت سلمان فارسیؓ کی عمارت کے اندر کا ایک منظر۔

غزوات میں شرکت سے محروم رہے۔ رسول اللہؐ کے ارشاد پر صحابۂ کرام نے حضرت سلمان فارسی کی غلامی سے گلو خلاصی کیلئے امداد کر کے آزاد کرالیا۔

غزوۂ احزاب (جنگ خندق) کے موقع پر جب مشرکین کا لشکر جرار مدینہ پر چڑھ آیا اور مسلمانوں کی تعداد کم تھی تو حضرت سلمان فارسی نے اپنے پیدائشی ملک ایران کے طریقۂ جنگ کے مطابق رسول اللہؐ کو مشورہ دیا کہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود کر دشمن کا سامنا کیا جائے۔ خندق کھودی جانے لگی۔ ایک جگہ اتنی بڑی چٹان تھی جو نہ ہلائے ہلتی تھی اور نہ توڑے ٹوٹتی تھی۔ رسول اللہؐ اور صحابہؓ بھوک پیاس سے نڈھال خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ وہ بڑی چٹان جب کسی سے نہ ٹوٹی تو رسول اللہؐ نے ہتھوڑے کی ضرب لگائی اور چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اسی عالم میں چٹان پر ہر ضرب کے ساتھ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ قیصر کا تخت گر گیا۔ کسریٰ کا تخت گر گیا !! اور چشم فلک نے جلد ہی دیکھ لیا کہ ایسا ہی ہوا۔

سرور کونینؐ کی رحلت کے بعد سلمان فارسیؓ نے عرصہ تک مدینہ میں

قیام کیا۔ فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں جب شام اور عراق فتح ہو گئے تو انہوں نے عراق میں مدائین کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ اس وقت تک کسریٰ ایران کی سلطنت یمن تک پھیلی ہوئی تھی اور عراق بھی اس کا ایک حصہ تھا۔ ایران پر لشکر کشی کے وقت حضرت سلمان فارسیؓ بھی جہاد میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں مدائین کا گورنر مقرر کیا اور تقریباً ۴-۵ ہزار درہم تنخواہ مقرر کی۔ مگر اس مرد درویش کی عجب شان قلندری تھی، جو تنخواہ ملتی اسے غربا و مساکین میں تقسیم کر دیتے اور خود چٹائی بن کر روزی کماتے۔ چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی خیرات کر دیتے۔ کہیں جاتے تو ایک گدھے پر بغیر زین کے سوار ہوتے اور چھوٹا سا تنگ کرتا زیب تن ہوتا۔ ان کے پاس اونٹ کے بالوں کا ایک کمبل تھا، دن کے وقت اسے اپنے بدن پر ڈال لیتے اور رات کو سوتے وقت اوڑھ لیتے۔ اس درویشانہ لباس میں باہر نکلتے تو لوگ مذاق اڑاتے اور کہتے "گرگ آمد- گرگ آمد" (بھیڑیا آیا - بھیڑیا آیا)

ایک دن مدائن کے بازار میں جا رہے تھے۔ ایک ناواقف شخص نے انہیں مزدور سمجھ کر اپنا سامان اٹھانے کیلئے کہا۔ حضرت سلمان فارسیؓ اس کا سامان اٹھا کر پیچھے پیچھے چلے۔ راستے میں لوگوں نے دیکھا تو کہا -- "اے صاحب رسولؐ- اے امیر، آپ نے یہ بوجھ کیوں اٹھا رکھا ہے، لائیے ہم اسے پہنچا دیں۔" سامان کا مالک ہکا بکا رہ گیا، نہایت شرمندہ ہو کر صحابی رسول سے معافی مانگی اور ان کے سر سے سامان اتارنا چاہا۔ حضرت نے فرمایا "نہیں بھائی، تو نے یہ سامان اٹھوا کر اپنے مکان تک لے جانا طے کیا تھا۔ اب میں اسے منزل پر پہنچا کر ہی دم لونگا۔"

حضرت سلمان فارسیؓ نے ۳۵ھ میں امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ ایران پر لشکر کشی میں اسلامی فوج کے سپہ سالار
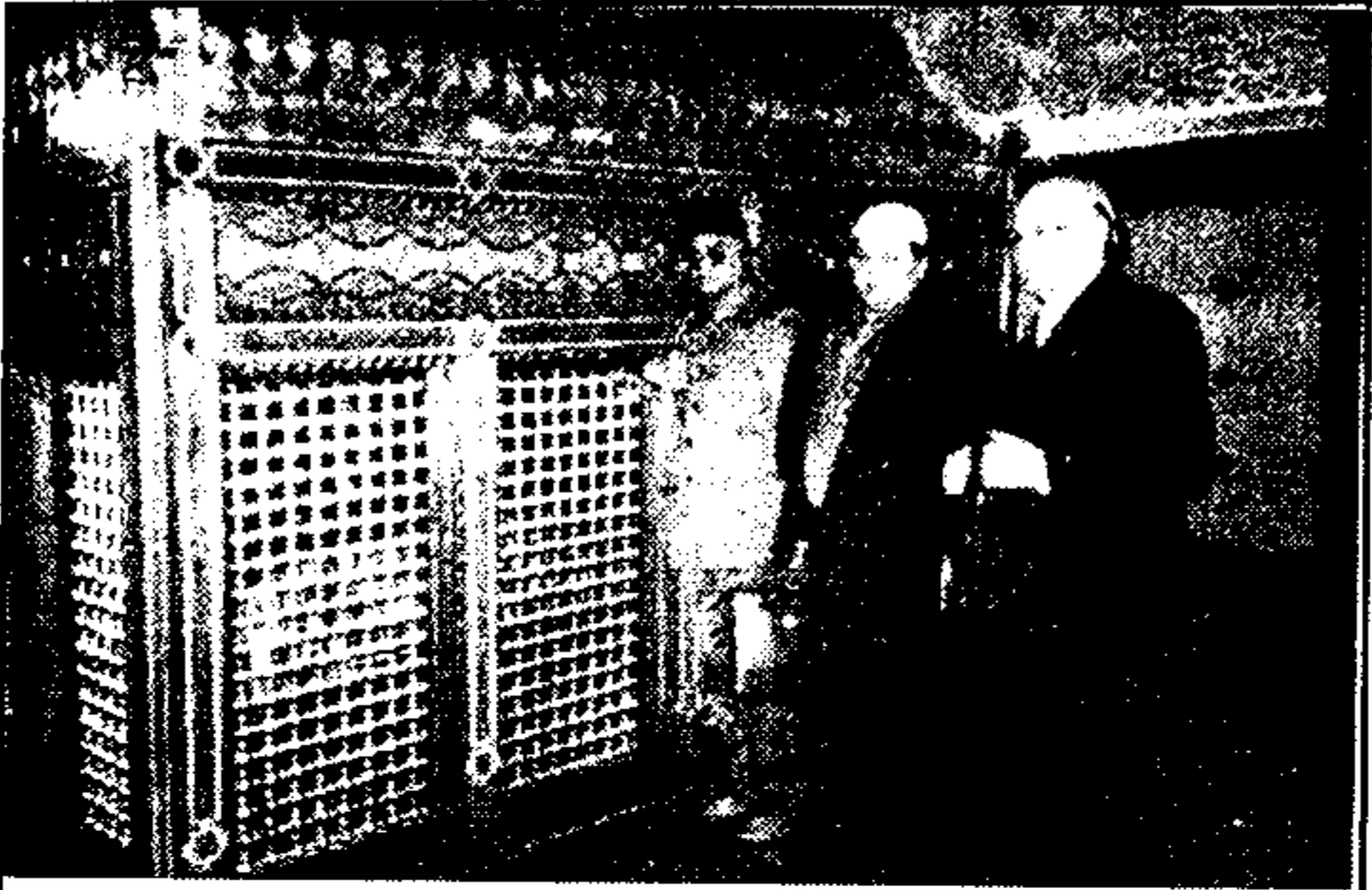
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری۔

اعلیٰ صحابی رسولؐ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ سلمان فارسی کے مرض الموت میں عیادت کو گئے تو وہ زار زار رونے لگے۔ حضرت سعدؓ نے کہا۔ "ابو عبداللہ (سلمان فارسی کی کنیت) رونے کا کون سا محل ہے، رسول کریمؐ تم سے محبت کرتے تھے اور راضی رخصت ہوئے۔ اب تو خلد بریں میں اپنے آقا و مولا سے ملاقات ہوگی۔" حضرت سلمان فارسیؓ نے جواب دیا۔ "خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا، اس لئے روتا ہوں کہ سرور کائناتؐ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ دنیا میں مال و متاع جمع نہ کرنا اور دنیا سے اسطرح جانا جس طرح میں جاتا ہوں۔ اب میرے پاس اسباب جمع ہو گیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں اپنے آقاؐ کے جمال سے محروم نہ ہو جاؤں۔"

یہ اسباب جس کی وجہ سے حضرت سلمانؓ گریہ و زاری کر رہے تھے، محض ایک بڑے پیالے، ایک لوٹے، ایک بوسیدہ کمبل اور ایک تسلہ پر مشتمل تھا۔ تکیہ کی جگہ سر کے نیچے دو اینٹیں رکھی تھیں۔

ایسے مقرب رسول اور صحابی رسول حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار پر

ہمارے تاثرات واحساسات کیا ہوئے ہوں گے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور خیال ہوا کہ وزیر اوقاف عراق ڈاکٹر عبدالمنعم نے ہمیں مزار سلمان فارسیؓ پر حاضری کی تاکید کیوں کی تھی۔ وہاں جانا یقیناً ایک سعادت تھی۔

جنگ قادسیہ کا میوزیم

سب مزارات پر سلام اور فاتحہ خوانی کے بعد ہم وہاں سے رخصت ہوئے تو عمو نے کہا کہ آپ کو ایک اور اہم چیز دکھانا چاہتا ہوں۔ یہاں ایوانِ کسریٰ کا کھنڈر ہے جسے وقت کی کمی کے سبب دور سے دیکھا اور آگے بڑھے۔ یہ وہی قصر کسریٰ ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ ولادت باسعادت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کنگورے گر گئے تھے۔ چند برس پہلے پھر یہ ایوان کسریٰ زلزلے سے تباہ ہوا۔ کچھ دور چل کر گاڑی ایک پارک میں رکی جہاں قلعہ نما ایک بلند عمارت قدیم طرز کی بنی ہوئی نظر آئی۔ یہ دراصل اس میوزیم کا بیرونی حصہ ہے جس کے اندر آرٹ کے ذریعہ ایک ہال میں جنگ قادسیہ کی پوری منظر کشی کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی شاندار چیز ہے اور آرٹ کا اعلیٰ نمونہ کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں ایک خاتون انچارج تھیں۔ دروازہ بند کئے تنہا بیٹھی تھیں۔ اس وقت یہ جگہ بند تھی۔ عمو نے انہیں بتایا کہ ہندستان سے ایک وزیر اور صحافی آئے ہیں تو خاتون نے ہمارا خیر مقدم کیا اور لفٹ پر اوپری منزل پر لے گئیں۔ یہاں دیوار پر پینٹنگ میں ہم نے تاریخ اسلام کی اس اہم جنگ قادسیہ کا نظارہ کیا جس نے ایران سے کسریٰ کی شہنشاہی کا خاتمہ کر دیا اور پورا علاقہ اسلام کی آغوش میں آگیا۔

القادسیہ

القادسیہ، عراق اور الجزیرہ کے متعدد مقامات کا نام ہے مگر سب سے

مشہور وہ "القادسیہ" ہے جہاں حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ایرانیوں سے فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ اسلامی لشکر کی قیادت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کررہے تھے۔ رسول اللہؐ کی حیات مبارکہ میں حضرت سعد شدید بیمار ہوئے اور زندگی کی آس باقی نہ رہی۔ رسول اللہؐ عیادت کو تشریف لے گئے تو بیمار کو صحت اور لمبی عمر کی بشارت دی۔ فرمایا: "سعد تم زندہ رہو گے اور تم سے لوگوں کو فائدہ بھی پہنچے گا اور نقصان بھی۔" (فائدہ مسلمانوں کا ہوا اور نقصان ایرانیوں کا جنگ قادسیہ میں ہوا۔) القادسیہ، عراق کا ایک شہر ہے جو دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر سامرہ سے ۸ میل جنوب میں، مشرق میں واقع۔ کوفے کے جنوب میں بغداد سے مکہ جانے والے حاجیوں کے راستے پر ایک منزل ہے۔ القادسیہ، طفؔ کے مغربی حصے میں واقع تھا جو بابل کے زیر کاشت علاقہ کے بالائی حصہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ علاقہ اپنے چشموں کی وجہ سے مشہور ہے۔
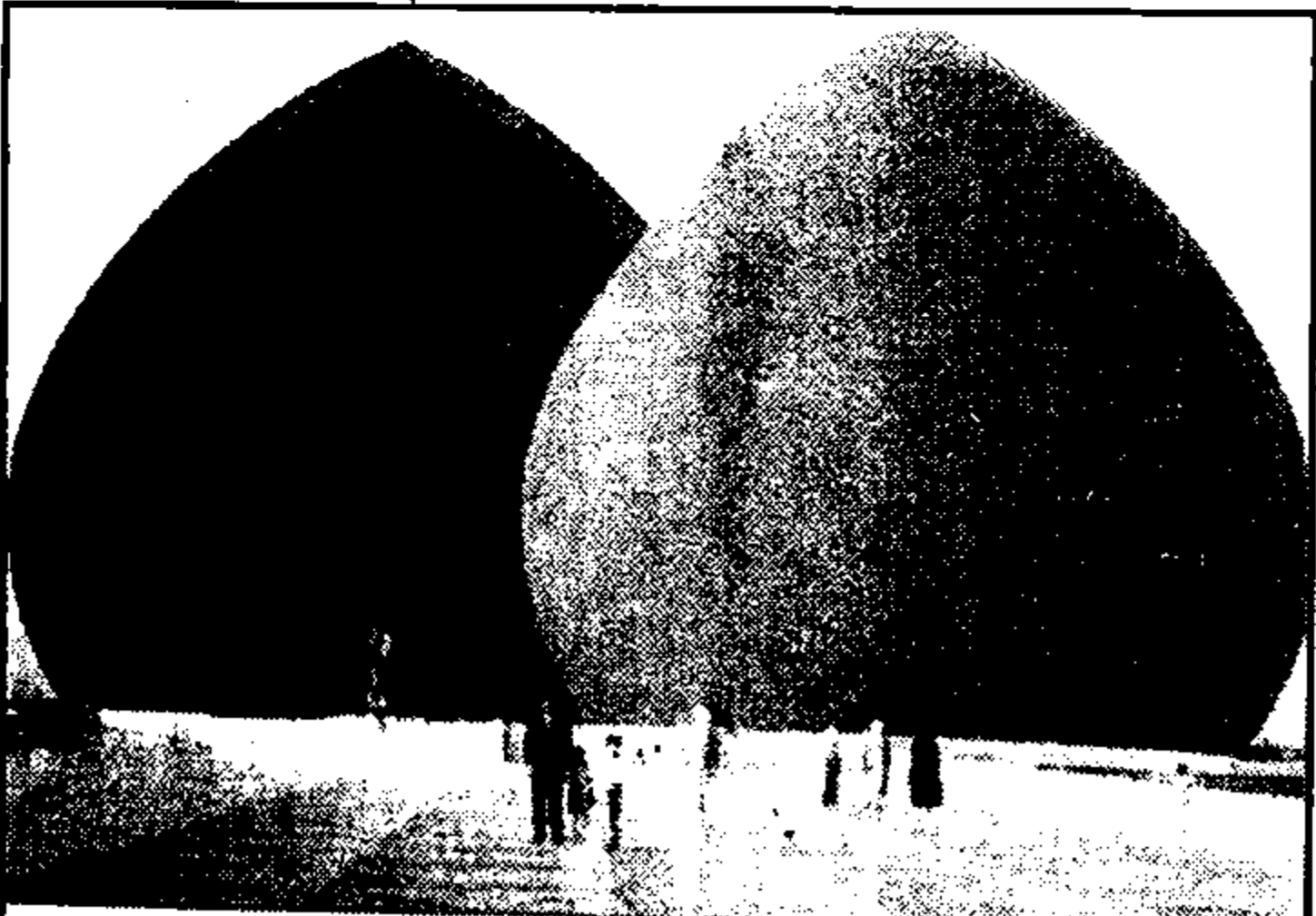
جنگ قادسیہ کی یاد میں حال میں تعمیر کردہ عمارت

ساسانی دور حکومت میں سلطنت ایران کے ایک اہم سرحدی شہر کی حیثیت سے قادسیہ نے اہم کردار ادا کیا۔ لیکن زیادہ شہرت اسلامی عہد میں حاصل ہوئی جب اس کے مضافات میں فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ اس سے عربوں نے دجلہ اور فرات کی سرزمین پر اپنی دوسری مہم کا آغاز نہایت کامیاب طریقہ سے کیا۔ اس سے پہلے مسلمان، شام میں فتوحات حاصل کر چکے تھے۔ القادسیہ کی فیصلہ کن جنگ میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار اعلیٰ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مقابلے میں ایرانی فوجوں کی کمانڈ، ایرانی سپہ سالار اور مشہور زماں پہلوان رستم کے ہاتھ میں تھی۔ متحارب فوجوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عربوں کی تعداد چھ ہزار سے ۳۸ ہزار کے درمیان اور ایرانیوں کی تعداد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تک بتائی جاتی ہے۔

میدان جنگ میں کئی ہفتوں تک دونوں جانب کی فوجیں ایک دوسرے کی نقل و حرکت کا بغور معائنہ کرتی رہیں۔ اس کے بعد باقاعدہ لڑائی شروع ہوئی۔ لڑائی تین چار روز تک جاری رہی۔ جب لڑائی کا فیصلہ ہونے کو تھا تو شام سے اسلامی فوج نہایت تیزی سے کوچ کرتی ہوئی عین وقت پر آپہنچی۔ فتح نے عربوں کے قدم چومے۔ ایرانی فوج کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ اس کا سپہ سالار رستم مارا گیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ بہت زیادہ مال غنیمت لگا۔ سب سے اہم جو مال غنیمت عربوں کو ملا وہ ایرانیوں کا شاہی علم "دُرفش کاویانی" تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایران میں بہت زمانے سے شاہوں کے پاس چلا آرہا تھا۔ اسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر تقسیم کردیا گیا۔ ایرانی فوج کی شکست کے بعد نقار جان کا بیش بہا خزانہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا جو عورتوں کے نہایت قیمتی زیور اور جواہرات پر مشتمل تھا۔ القادسیہ کی جنگ نے عربوں کو دجلہ کے مغرب میں سارے عراق کا مالک بنا دیا۔ اور اسلامی فتوحات کا نیا میدان کھول دیا۔ لڑائی کی تاریخ

۱۴ھ (۶۳۵ء) اور ۱۶ھ (۶۳۷ء) کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ قادسیہ فتح ہونے کے بعد عسکری اہمیت کے لحاظ سے شہر بصرہ کی بنیاد رکھی گئی۔

ابھی ہمارے پاس تھوڑا وقت باقی تھا۔ ہمارے گائیڈ عمّو نے مشورہ دیا کہ ایک اور تاریخی شہر سامرّہ بھی دیکھ لیں۔ جس کا فاصلہ تقریباً ۱۰۰ کیلو میٹر تھا۔ گاڑی پھر تیزی سے ۱۱۰ کیلو میٹر کی رفتار سے سڑک پر دوڑنے لگی۔ ہم جلدی ہی شہری آبادی سے نکل کر دیہی علاقے میں پہنچ گئے۔ یہاں راستے میں سڑک کے ساتھ ساتھ ریل کی پٹری بھی چل رہی تھی۔ بغداد سے موصل کو ٹرین جاتی ہے۔ سامرّہ دریائے دجلہ کے کنارے آباد ہے۔ یہاں بھی زیارت گاہ ہے۔ روضہ حضرت امام حسن عسکری اور روضہ حضرت امام علی نقی ہے۔ زائرین یہاں بھی آتے ہیں۔ اس جگہ نرگس خاتون (والدہ امام مہدی) اور حلیمہ خاتون (ہمشیرہ امام مہدی) کی بھی قبریں موجود ہیں۔ یہاں عمارت پر جلی حروف میں عربی اور انگریزی میں بورڈ لگا تھا کہ داخلہ صرف مسلمانوں کیلئے ہے۔ روایت ہے کہ اسی جگہ سے ۹۰۰ سال پہلے امام مہدی غائب ہوئے تھے اور قیامت کے قریب پھر ظاہر ہوں گے۔ روضہ کے ایک گوشے میں تہہ خانہ ہے جس میں جانے کیلئے سرنگ بنی ہے۔ خادم روضہ نے ہمارے لئے وہ جگہ کھولی، سیڑھیاں اتر کر ہم اندر داخل ہوئے۔ ایک مقام پر خادم نے اشارہ کیا کہ امام مہدی اسی جگہ سے عبادت کرتے ہوئے غائب ہوئے تھے۔ اس روضہ پر بھی سونے کا کام ہے اور دس کیلو سونا صدر صدام حسین نے دیا ہے۔

سامرّہ میں ملاوی کا وہ قدیم تاریخی منارہ بھی ہے جو عراق کی قومی عظمت کا نشان ہے۔

اب شام ہو چلی تھی اور بغداد تک لمبی مسافت طے کرنا تھی۔ سامرّہ سے ہم اپنی گاڑی میں روانہ ہوئے اور اندھیرا ہونے سے پہلے ہوٹل الرشید

واپس آگئے۔ ۲۴؍دسمبر کو کرسمس کی رات تھی۔ ہوٹل کی نچلی منزل میں ریسپشن لابی میں سجاوٹ کی گئی تھی۔ بغداد میں ہمارے قیام کی یہ آخری شب تھی۔ ہمارے سفارت خانہ کے ناظم الامور مسٹر سومن رے نے اپنے گھر پر پرائیوٹ ڈنر کا اہتمام کیا تھا۔ ان کے گھر سے واپس آتے آتے رات کے ۱۱ بج گئے اور ہمیں علی الصبح پھر عمان کیلئے سفر کرنا تھا۔ جو ڈرائیور ہمیں عمان سے بغداد لے گیا تھا وہ واپس لے جانے کیلئے بغداد آگیا تھا۔ واپسی کے لئے وہ ۲۰۰ ڈالر کرائے پر راضی ہو گیا۔

بغداد میں تین دن قیام کے دوران ہم نے ایک ریستوران میں دوپہر کا کھانا دو مرتبہ کھایا۔ یہ ایک صاف ستھرا کفائتی ریستوران ہے جو اعظمیہ عنتر اسکوائر میں واقع ہے اور اس کا عربی نام "مطعم السھل الاخضر" (انگریزی میں گرین لینڈ ریسٹورنٹ) ہے۔ یہاں کھانا اچھا ملا اور الرشید ہوٹل سے لاکھ درجے عمدہ تھا۔ چار آدمیوں کے کھانے کا ایک دن کا بل ۹۱۵۰ دینار ادا کیا اور دوسرے دن اتنے ہی آدمیوں کے کھانے کا چارج ۸۵۰۰ دینار دیا۔

الجمہوریہ کو انٹرویو

ہندستان کے سفارت خانہ میں ۲۳؍دسمبر کی صبح اخبار "الجمہوریہ" کے سفارتی نامہ نگار مؤذن صاحب نے کلیم الدین شمس کا انٹرویو لیا۔ بعد میں وہ انٹرویو شائع ہوا۔ راستے سے گزرتے ہوئے لپک کر میں چند لمحوں کیلئے اخبار "الجمہوریہ" کے دفتر بھی گیا۔ (ملا کی دوڑ مسجد تک!) اور اسٹاف سے ملاقات کی۔ "الجمہوریہ" حکومت عراق کا سرکاری ترجمان ہے۔ کاغذ کی قلت کے باعث اخبارات چھوٹے سائز پر شائع ہوتے ہیں۔ ۸ صفحات کا "الجمہوریہ" ۲۵ دینار میں فروخت ہوتا ہے۔ ایک چھوٹا سا انگریزی اخبار "دی بغداد آبزرور" بھی ۴ صفحات کا نکلتا ہے اور اس کی قیمت فروخت بھی ۲۵

اكبر معرض من العدوان الامريكي على العـــــراق في كلكتا

□ بغداد / ملزن صلصب . يخطو في الساحة العمومية بمدينة كلكتا الهندية ، يوم ١٧/١/١٩٩٨ ، اكبر معرض شامل عن العدوان الامريكي - الصهيوني ضد العراق والسلوك الهمجي الامريكي الظالم ضد شعب العراق . اعلن ذلك لـ (الجمهورية) السيد كليم الدين شمس ، وزير التموين في حكومة البنغال ، رئيس حزب عموم الهند التقدمي وقال ان اغلب وسائل الاعلام الهندية وحل الصحف البنغالية تصف الرئيس صدام حسين بحبلوة . البطل المناضل ؛ لانه يناضل في سبيل حرية الانسان ضد سياسة الهيمنة الامبريالية الامريكية . وتنشر صور سيادته على الصفحات الاولى في الصحف اليومية كما وتعلق صور سيادته على واجهات المحلات التجارية في المدن الرئيسية . واشار الوزير البنغالي . الذي يزور العراق لاول مرة . الى المواقف المشتركة بين تيار اليسار في حكومة الهند الائتلافية وبين السياسة العراقية حيث يعتبر الرئيس صدام حسين من ابرز المناضلين لتأسيس منهج الاشتراكية الحقيقية في بلد مثل العراق . رغم كل اشكال العدوان الامريكي . ويعمل تيار اليسار الهندي على مساندة ودعم العراق . من خلال حث حكومة الهند الائتلافية التي يشارك فيها ، على دعم العراق في كافة المحافل الدولية وبالاخص في الامم المتحدة وقارن السيد كليم الدين شمس ، بين عدوانية المواقف الامبريالية الامريكية وغزو جنكيز خان وهولاكو للعراق وتدمير بغداد من جهة ، ومن جهة اخرى حالة الاعمار والبناء بعد العدوان وبالاخص اهتمام السيد الرئيس صدام حسين بالاضرحة المقدسة للاولياء الاطهار والتي لها منزلة دينية مهمة عند سائر المسلمين . ويذكر ان الوفد البنغالي الزائر تبرع بشحنة من الادوية المناهضة للعدوانية . وقد وصلت معه عينات من هذه الادوية وستصل باقي الشحنة الموجودة حاليا في عمان الى بغداد في وقت قريب جدا □

اخبار الجمہوریہ میں شائع انٹرویو کی کٹنگ (بذریعہ فیکس کاپی)

دینار ہے۔ ہر اخبار میں روزانہ پہلے صفحے پر صدر صدام حسین کی تصویر ضرور رہتی ہے۔ ٹی وی پر بھی ہر روز صدر صدام حسین کو دیر تک مختلف مصروفیات میں دکھایا جاتا ہے۔ ہر چوراہے اور عمارت پر ان کی تصویریں آویزاں ہیں۔ صدر صدام حسین کے شخصی پروپگنڈے کی انتہا نہیں ہے۔

زبان کی دشواری کے سبب عام لوگوں سے تو کھل کر بات نہیں کر سکے مگر جتنا کچھ سن اور سمجھ سکے اس سے اندازہ ہوا کہ عراق کے عوام اپنی تمام مصیبتوں کیلئے امریکہ اور اس کے ہم نواؤں کو ذمہ دار مانتے ہیں۔ صدام حسین آج بھی اپنے عوام میں مقبول ہیں مگر یہ بھی سچائی ہے کہ جنگی حالات کے سبب حکومت کی سختی بہت ہے۔ جمہوری آزادی ویسی نہیں ہے جیسی ہم سوچتے ہیں۔ حکومت کی گرفت پوری طرح مضبوط ہے۔ اقتصادی

ناکہ بندی نے عوام کا برا حال کرر کھا ہے۔ کارخانے بند پڑے ہیں، مزدور بیکار ہیں، کاروبار ٹھپ ہے۔ جو علاقہ زرخیز ہے وہاں کاشتکاری اور باغبانی ہو رہی ہے مگر ضرورت بھر اجناس کی پیداوار نہیں ہوتی۔ باہر سے امپورٹ کرنا ضروری ہے جس پر اقوام متحدہ کی مقررہ مقدار میں تیل بیچ کر غذا اور دوا باہر سے منگائی جا سکتی ہے۔ اب سلامتی کونسل نے ۵ ارب ۲۰ کروڑ ڈالر کا تیل فروخت کر کے غذا، دوا اور دوسرے ضروری سامان خریدنے کی اجازت عراق کو دی ہے۔

عراق کے خلاف امریکی جارحیت کی تباہ کاری کے بعد بھی عراق کے جانباز عوام کا حوصلہ نہیں ٹوٹا۔ جان لیوا محاصرے سے وہ کسی طرح جانبر ہو گئے ہیں۔ ان کی قوت مدافعت اور مستقبل کیلئے امید و حوصلہ سے یقین ہوتا ہے کہ موقع ملنے پر عراق بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گا اور تعمیر و ترقی کا دور جب واپس آئے گا تو آگے بڑھنے کی رفتار بہت تیز ہو گی۔

باب - ۴

عمان سے جدہ

۲۵؍دسمبر کی صبح ہوٹل الرشید سے ہم نکلے اور بغداد کو خیرباد کہا۔ چلتے وقت ہم نے دعا کی کہ اے اللہ، عراق کے عوام کی مصیبتوں کو دور کر دے اور انہیں امن و خوش حالی نصیب ہو، ان کے دشمن زیر ہوں۔

ہوٹل والوں نے راستے میں ہمارے ناشتے کیلئے کچھ سامان پیک کر دیا تھا۔ ہوٹل سے نکلتے وقت اس کے باغ سے یادگار کے طور پر ایک چھوٹا سے پتھر اٹھا لیا۔ ۱۹۸۸ء میں راجیو گاندھی کے ساتھ جب شام کے دورے پر جانے کا موقع ملا تھا اور وزیر اعظم ہند نے گولان پہاڑیوں کے دامن میں زمانۂ جنگ کے ایک جلے ہوئے شہر قنطرہ کا معائنہ کیا تھا جو برسوں سے ویران پڑا ہے اور اقوام متحدہ کی فوج کی نگرانی میں ہے، اس وقت گولان پہاڑی کے دامن سے بھی ایک یادگار پتھر میں لایا تھا۔

ہماری گاڑی ایک مرتبہ پھر ۱۷۰ اور ۱۸۰ کیلو میٹر کی رفتار سے اسی شاہراہ پر جارہی تھی۔ عراق اور اردن کی سرحدی چوکیوں پر پاسپورٹ وغیرہ کی چیکنگ کا مرحلہ طے ہو گیا۔ کسٹم کی چھان بین کسی جگہ نہیں ہوئی۔ واپسی میں ہمارا سامانِ سفر کم ہو گیا تھا، دواؤں کے چار کارٹن حکومت عراق کے حوالے کر آئے تھے۔ بغداد سے اردن کی سرحد تک دوطرفہ سڑک زیادہ اچھی حالت میں ہے۔ اردن میں سنگل سڑک ہے جس پر دوطرفہ ٹریفک چلتی ہے۔ سارا راستہ بنجر اور ویران ہے۔ عراق اور اردن شاہراہ کے راستے میں جابجا فلائی اوور بنے ہیں جو دوسرے شہروں اور ملک شام کو جاتے ہیں۔ اردن کی سرحد میں داخل ہوئے تو آسمان ابرآلود تھا، اور آگے بڑھے تو ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ موسم خوشگوار اور منظر دلفریب تھا۔

امریکن سگریٹ

اردن اور عراق میں جدھر جاؤ، راستوں پر جا بجا پولس کی چیکنگ ہوتی ہے۔ کربلا سے نجف اشرف کیلئے چلے تھے تب بھی کربلا سے نکلتے ہی راستے میں پولس چیک پوسٹ پر ٹھہرنا پڑا اور پوچھ تاچھ ہوئی۔ مگر سفارت خانہ کی گاڑی دیکھ کر فوراً آگے جانے کی اجازت مل گئی۔ عراق سے اردن آتے ہوئے سرحدی چوکیوں کے علاوہ بھی دونوں ملکوں کی سرحدوں کے قریب چیک پوائنٹ ہیں۔ بغداد سے عمان ہم کو جو ڈرائیور واپس لے جارہا تھا اس نے راستے میں عجیب حرکت کی۔ بغداد سے وہ امپورٹیڈ امریکن سگریٹ کے چار ڈبے لایا تھا۔ ہر ڈبے میں دو سو (۲۰۰) سگریٹ تھے۔ یہ ڈبے اس نے گاڑی میں چھپا کر رکھے تھے۔ ایک ڈبہ کھول کر اس میں سے ایک پیکٹ اپنے کش لگانے کیلئے نکالا۔ گاڑی کے اندر نوٹس لگا تھا کہ سگریٹ نوشی منع ہے مگر ڈرائیور بار بار سگریٹ سلگاتا تھا۔ تیز رفتار گاڑی میں ہوا سے بچنے کیلئے کھڑکیوں کے شیشے چڑھا کر رکھنا پڑ رہے تھے۔ مگر سگریٹ کے دھوئیں کی وجہ سے بار بار شیشہ کھولنا پڑتا۔ ہوا کا تھپیڑا اور شور اتنا تیز تھا کہ برداشت نہیں ہوتا تھا۔ ڈرائیور نے چالاکی یہ کی کہ امریکن سگریٹ کے تین ڈبے ہمارے حوالے کئے کہ اگر کسٹم چیکنگ ہو تو ہم کہہ دیں یہ ہمارے سگریٹ ہیں۔ عراق میں باہر سے غذا اور دوا آنے پر پابندی ہے مگر کہیں سے مہنگے امریکن سگریٹ اسمگل ہو کر آرہے ہیں جنہیں خرید کر گاڑیوں کے ڈرائیور عمان لے جاتے ہیں۔ امریکن سگریٹ کا ایک اور کرشمہ دیکھا کہ ہر چیک پوائنٹ پر ڈرائیور ایک پیکٹ سگریٹ چیکنگ گارڈ کو پکڑا دیتا اور گاڑی آگے بڑھنے کا سگنل مل جاتا۔ یعنی سگریٹ کا ایک پیکٹ پروانۂ راہ داری (ویزا) کا کام دے رہا تھا۔ عراق میں زیادہ اقسام کے پھل بازاروں میں نظر نہیں آئے، مالٹا کثرت سے ملتا ہے۔ ایک جگہ دکان پر کیلا نظر آیا۔ قیمت معلوم
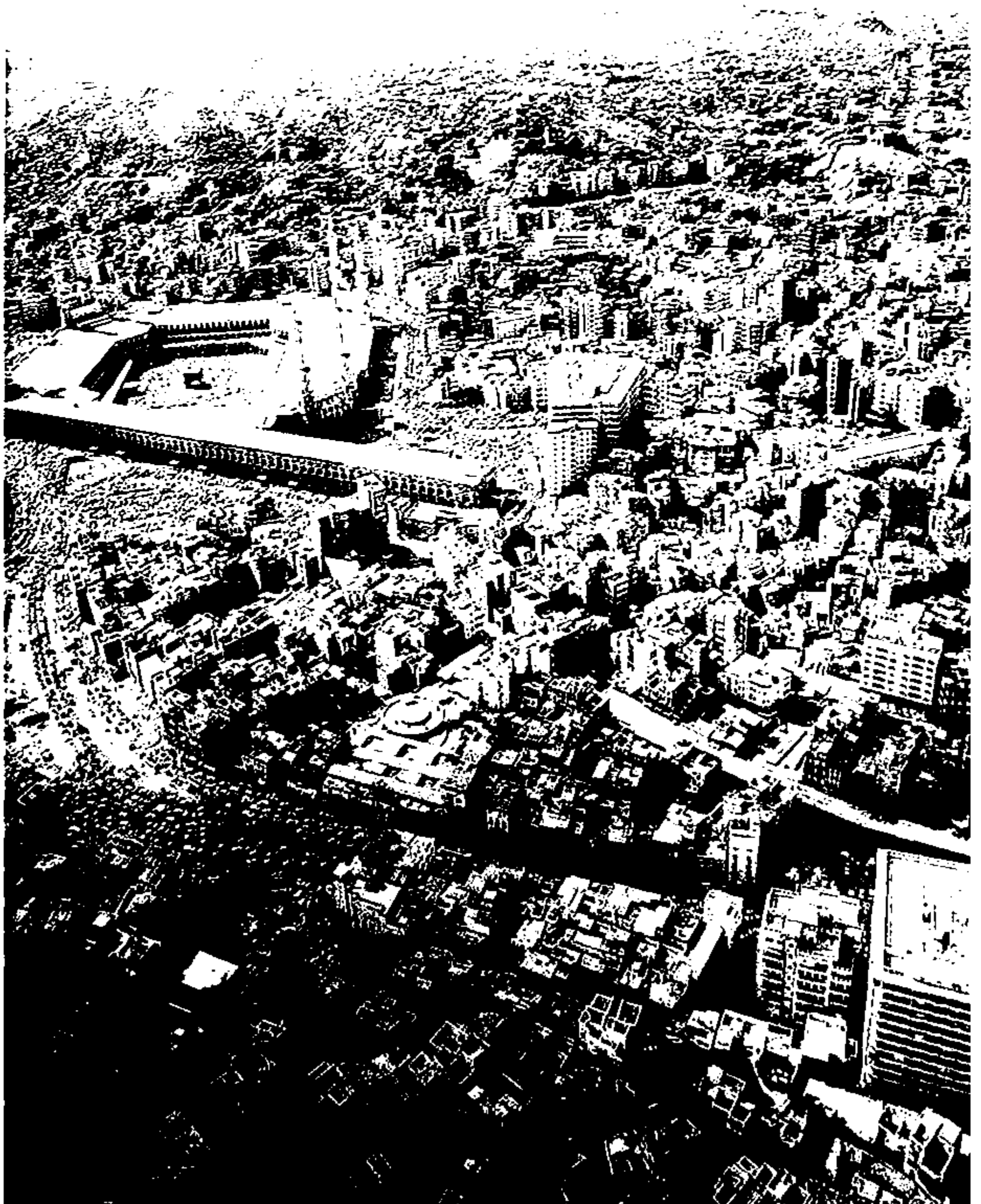
کی تو تول کے حساب سے ۸ - ۱۰ کیلے کی قیمت ہندستانی کرنسی میں اسی (۸۰) روپے بتائی۔ یہ سنکر ہم کیلے کو سلام کر کے آگے بڑھ گئے۔ ہمار ڈرائیور بغداد سے مالٹے کے دو تین بکس بھی لایا تھا جنہیں اس نے اردن کے ایک سرحدی شہر میں داخل ہونے پر ایک دکاندار کے حوالے کیا۔ اس طرح سرکاری پابندیوں کے باوجود دنیا کے اور ملکوں کی طرح عراق اور اردن میں بھی لوگوں کا کام چل رہا ہے۔

تقریباً تین بجے دن ہم عمان میں ہندستانی سفارت خانہ پہنچے۔ کرمس کی تعطیل میں سفارت۔ خانہ بند تھا۔ چوکیدار نے، جو ہریانہ کا رہنے والا تھا، گیٹ کھول کر ہمیں اندر بٹھایا اور پروٹوکول افسر مسٹر میتھیو کو فون پر ان کے گھر خبر دی کہ ہم بغداد سے واپس آگئے ہیں۔ مسٹر میتھیو جلد آگئے۔ جدہ کیلئے ہماری فلائٹ رات ۸½ بجے تھی۔

جدہ میں

سفارت خانہ میں چند گھنٹے آرام کر کے اور چائے وغیرہ لے کر سات بجے ائرپورٹ پہنچے۔ جدہ لے جانے کیلئے اردن کا جہاز تیار تھا۔ مسٹر میتھیو اور ڈرائیور فاروق کی وجہ سے امیگریشن اور کسٹم کا مرحلہ آسانی سے طے ہوگیا۔ عمان سے جدہ تک پرواز تقریباً دو گھنٹے کی ہے۔ سعودی عرب کا وقت، اردن سے ایک گھنٹہ آگے رہتا ہے۔ اس لئے جدہ پہنچنے کا مقامی وقت ۱۱½ بجے رات تھا۔ جہاز میں ایسے کئی مسافر تھے جو عمرہ کرنے کی غرض سے جارہے تھے۔ بعض لوگ پہلے سے احرام باندھے ہوئے تھے اور بعض نے جہاز کے اندر احرام باندھا۔ جہاز میں احرام باندھنے میں بہت دشواری ہوتی ہے۔ وضو، نماز اور کپڑے تبدیل کرنے کی کوئی مناسب جگہ نہیں ہوتی۔ گھر، ہوٹل یا ایرپورٹ سے احرام باندھ لینا چاہئے۔ جہاز ٹھیک وقت پر اڑا اور ٹھیک وقت پر جدہ ائیرپورٹ پر اتر گیا۔

جدہ ہوائی اڈے پر ہندستانی قونصل خانہ کے ایک رکن مجید صاحب آگئے تھے، ان کے علاوہ کلیم صاحب کے دوست فرید صاحب بھی آئے تھے۔ جدہ میں بھی امیگریشن اور کسٹم آسانی سے ہوگیا اور ہم لوگ فرید صاحب کے گھر کیلئے روانہ ہوئے۔ فرید صاحب اور ان کے بھائی لمبے عرصے سے جدہ میں مقیم ہیں۔ شہر کے مشہور بازار بلد میں گھڑیوں کی ان کی دکانیں ہیں۔ یہ لوگ لکھنؤ شہر کے رہنے والے ہیں۔ فرید صاحب کے گھر رات کے کھانے سے فارغ ہو کر قونصل خانہ کی گاڑی سے ہم مکہ مکرمہ کیلئے روانہ ہوگئے۔ جدہ سے مکہ تک فاصلہ ۶۵ کیلو میٹر ہے اور تقریباً ایک گھنٹہ میں گاڑی پہنچا دیتی ہے۔ مکہ میں داخل ہوئے تو تہجد کا وقت ہو رہا تھا۔ بغداد سے عمان تک ۹۰۰ کیلو میٹر کار میں سفر اور پھر عمان سے جدہ تک پرواز، اس کے بعد جدہ سے مکہ کا فوراً سفر، طویل مسافت کے لگاتار سفروں نے کافی تھکا دیا تھا۔ طے پایا کہ کچھ دیر کمر سیدھی کرلیں۔ تھکان دور ہو تو عمرہ کرنے حرم شریف جائیں۔

مکہ مکرمہ میں ہمارا قیام قونصل خانہ کی کرایہ پر لی ہوئی ۸ منزلہ عمارت میں تھا۔ یہ محلّہ مسفلہ میں ہے۔ اس میں حج آفس بھی ہے اور ڈسپنسری بھی ہے جہاں سے حج کے زمانے میں حجاج کرام کو دوا علاج کی سہولت ملتی ہے۔ اس جگہ کے انچارج وائس کونسل (حج) قریشی صاحب ہیں۔ ہم اس قدر تھکے ماندے تھے کہ بستر پر لیٹتے ہی نیند آگئی اور آنکھ اس وقت کھلی جب سورج نکل چکا تھا۔ وضو کر کے نیچے اترے اور سب سے پہلے ایک دکان سے چائے پی۔ مکہ مدینہ میں ہر زمانہ میں ایک کپ چائے ایک ریال (۱۰ روپئے) میں ملتی ہے۔ ہماری رہائش گاہ حرم کے قریب تھی۔ چائے پی کر آگے بڑھے تو مسجد الحرام اور باب عبدالعزیز کے شاندار مینار اور گیٹ سامنے تھے۔ کلیم صاحب پہلے بھی حج اور عمرہ کر چکے ہیں۔ مگر ہمارے ساتھ جمشید علی ملا بالکل ناواقف اور اجنبی تھے۔ انہوں نے بنگلہ زبان میں تلبیہ نوٹ

کر کے رٹ لیا۔ کلکتہ سے چلتے وقت میں نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ بڑے سائز کے دو سفید تولئے خرید لیں، ایک باندھنے کیلئے اور دوسرا اوڑھنے کیلئے۔ کلیم صاحب کے پاس بھی احرام نہیں تھا۔ ملاّ نے چار تولئے خریدے مگر جدہ میں جب باندھنے کیلئے نکالے تو بیکار تھے۔ ان کا عرض بہت کم تھا۔ فرید صاحب نے اپنے احرام کے چار تولئے دیئے تب ملا اور کلیم صاحب نے احرام باندھے۔ میرے پاس ابھی تک وہی پرانے احرام کے چار تولئے محفوظ ہیں جو ۱۹۷۰ء میں اپنا پہلا فرض حج کرتے وقت بمبئی میں خریدے تھے۔ احرام کے یہ تولئے میں ہمیشہ بچا کر واپس لے آتا ہوں اور اللہ اسی احرام کے کپڑوں میں مجھے بار بار حج و عمرہ کی سعادت نصیب کرتا ہے۔ یہ بھی اس کی شان کریمی ہے۔ چونکہ اس دفعہ حج نہیں تھا، صرف عمرہ کرنا تھا اس لئے کلکتہ سے چلتے وقت صرف دو تولئے ساتھ لے گیا تھا۔

یہ ۲۶ر دسمبر مطابق ۲۶ر شعبان کی ایک سہانی صبح تھی۔ مکہ میں نہ سردی تھی اور نہ گرمی، معتدل موسم تھا۔ مگر سورج چڑھنے پر دھوپ میں تیزی آجاتی ہے۔ رمضان المبارک کی آمد قریب تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں فرزندانِ توحید چار دانگ عالم سے رمضان کے مہینے میں مکہ آکر مقیم ہو جاتے ہیں۔ اور روزے حرم میں گزارتے ہیں۔ ابھی رمضان کا چاند ہونے میں چار پانچ دن دیر تھی۔ تب بھی شمع توحید کے پروانوں کی آمد شروع ہو گئی تھی اور مکہ بھرنا شروع ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں زمانۂ حج سے زیادہ بھیڑ رمضان المبارک میں مکہ میں ہوتی ہے اور لیلۃ القدر میں تو حرم کے نواح میں تِل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور خوش قسمتی سے پہلے ہی دن حرم میں جمعہ مل گیا۔

حرم میں

حرم میں ہم تینوں داخل ہوئے۔ خانہ کعبہ پر نظر پڑی، نظر بھر کر

دیدار کیا اور دعا پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔ حجراسود کے سامنے پہنچ کر طواف شروع ہوتا ہے اور لبیك اَللّٰھُمَّ لبّیك کا وِرد بند ہو جاتا ہے۔ ساتھی جمشید ملا کو سب سمجھا کر طواف شروع کیا۔ اس بندۂ خدا نے جلد ہی سب کچھ سیکھ لیا، پھر بھی ہمہ وقت میرا سہارا لیتا رہا اور طواف وسعی میری نگرانی میں کیا۔ تین دن قیام مکہ میں ہم نے دو عمرے کئے اور زیارت گاہوں پر بھی گئے۔ طواف کرنے والوں سے مطاف کسی وقت خالی نہیں ہوتا۔ صرف نماز پر اتنی دیر کیلئے طواف رکتا ہے اور امام کے سلام پھیرتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ مطاف میں نماز کے وقت اگلی صف میں حجراسود کے سامنے بیٹھتے ہیں اور سلام پھیرتے ہی دوڑ کر حجراسود کو چومنے جاتے ہیں۔ ایسا کرنے میں ایک دوسرے کو دھکے لگتے ہیں مگر جنہیں آداب حرم کا کوئی پاس و لحاظ نہیں وہ یہ سب کرتے ہیں۔ حجراسود کو بوسہ دینے کیلئے ہمہ وقت ہجوم رہتا ہے اور لوگ قطار باندھے کھڑے رہتے ہیں حالانکہ طواف کی حالت میں خانہ کعبہ کے گرد چکر شروع کرتے وقت استلام بھی کافی ہے۔ (ہاتھ سے اشارہ کر کے حجراسود کو چوم لینا) مناسب ہے اگر حجراسود تک پہنچنا اور بوسہ دینا ممکن نہ ہو۔ جمشید ملا نووارد تھے اور بہت خوش بھی تھے، انہوں نے کافی زور لگایا مگر حجراسود تک رسائی ممکن نہیں ہوئی۔ سمجھانے سے مان گئے کہ پہلوانی نہ دکھائیں یہ ناپسندیدہ ہے اور آداب طواف کے خلاف ہے، رکن یمانی کے قریب غلاف کعبہ کو چھونے اور آنکھوں سے لگانے کا بارہا موقع ملا۔

طواف مکمل کر کے مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی، پھر چاہِ زمزم میں گئے اور جی بھر کے زمزم پیا۔ اس کے بعد صفا و مروہ کی سعی سے فارغ ہوئے۔ حرم کا کوئی حصہ کسی بھی وقت خالی نہیں رہتا۔ صبح کے وقت بھی سینکڑوں لوگ طواف میں مصروف تھے اور اتنے ہی لوگ چاہ زمزم اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان مطاف میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کوئی دعاؤں میں غرق

تھا، کوئی تلاوتِ قرآن میں مصروف تھا۔ اللہ کے کچھ بندے کعبہ کے باب ملتزم کو پکڑے ہوئے دنیا و مافیہا سے بے خبر آہ و زاریاں اور توبہ و استغفار کر رہے تھے۔ صفا و مروہ کی دو پہاڑیوں کے بیچ نیچے کی منزل میں اژدہام زیادہ تھا مگر قابل برداشت تھا اس لئے ہم اوپر کی منزل پر نہیں گئے۔ اب آخری رکن باقی رہ گیا تھا کہ سر کے بال کتروائیں (قصر) یا منڈوائیں (حلق)۔ ملّا کو میں نے مشورہ دیا کہ پہلے عمرہ میں حلق نہ کریں ورنہ دوسرے عمرے میں سر پر استرا پھیرنا مشکل ہوگا۔ اس وقت ہم نے قصر پر اکتفا کیا۔ دوسرے عمرے پر ملّا نے حلق کرا لیا۔

یہ جمعہ کا دن تھا، ناشتے سے فارغ ہوئے اور نہا دھو کر نماز کیلئے تیار ہو گئے۔ حج کے زمانے میں تو دس بجے ہی سے حرم بھرنا شروع ہو جاتا ہے۔ ذرا دیر ہو جائے تو پھر حرم کے باہر جہاں کہیں سایہ نظر آئے نماز پڑھنے کیلئے بیٹھنا ہوتا ہے۔ اذان سے کچھ قبل ہم حرم میں داخل ہو گئے اور اطمینان سے جگہ بھی مل گئی، اگرچہ تمام حصے کھچا کھچ بھر گئے تھے۔ امام نے خطبہ جمعہ شروع کیا۔ جمعہ کا خطبہ بہت موثر ہوتا ہے۔ امام تقریر کرتا ہے اور اللہ و رسول کی حمد و ثنا اور صلوٰۃ و سلام بیان کرتا ہے۔ خطبہ کے دونوں حصوں میں امام دعائیں بھی کرتا ہے۔ امام حرم نے مسلمانان عالم کیلئے دعائے خیر کرتے ہوئے کشمیری مسلمانوں کیلئے بھی امن و سلامتی کی دعا کی۔ عمرہ کی سعادت اور حرم میں جمعہ نصیب ہونے پر اپنے رب کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ طواف کرتے وقت بھی دل بھر آیا، بہت رقت طاری ہوئی۔ رب کعبہ کے احسان و کرم پر اس عاصی و عاجز نے تہہ دل سے شکر ادا کیا۔ زبان خاموش سے بار بار یہی جملہ ادا ہو رہا تھا کہ اے میرے اللہ! میں تیرا گنہگار بندہ ہوں۔ اس لائق تو نہ تھا کہ تیرے گھر میں اتنی مرتبہ حاضری کی سعادت ملے۔ یہ تیرا کرم ہے جو اپنے بندے پر اتنا مہربان اور رحیم ہے کہ کوئی نہ

کوئی سبیل پیدا کر کے اپنے گھر بلا لیتا ہے۔ بیشک، غور کرتا ہوں تو اس معاملے میں اپنے کو بہت خوش نصیب پاتا ہوں کہ اب تک پانچ مرتبہ بیت اللہ کے دیدار اور زیارت روضۂ اقدسؐ سے مشرف ہوا۔ (چار حج اور یہ عمرہ) ہر دفعہ حرمین شریفین سے یہ کہتا ہوا رخصت ہوتا ہوں کہ شاید یہ آخری دیدار ہے۔ آئندہ آنے کا موقع ملے کہ نہ ملے اور پھر غیب سے بیٹھے بیٹھے سامان ہو جاتا ہے اور یہ بندۂ عاجز اپنے احساس گناہ کی شرمندگی کے ساتھ خود کو کعبہ کے سامنے کھڑا ہوا پاتا ہے اور پھر مدینہ منورہ میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جالی مبارک کا دیدار ہوتا ہے۔ جس سے روحانی طہارت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کے اس فضل و کرم پر اس کا شکر کتنا ہی ادا کروں ادا نہ ہوگا۔ حرم میں بیٹھ کر سرشاری کے عالم میں یہ سب جذبات و احساسات شدت سے طاری تھے۔ اس وقت ہمارے اور ان کے بیچ کوئی نہیں تھا۔ ہم تھے اور وہ تھے۔ بندے اور اس کے رب کا یہ معاملہ ہے جسے لفظوں کا جامہ پہنا کر بیان نہیں کیا جاسکتا، نہ اس کی ضرورت ہے۔

جمعہ پڑھ کر حرم سے نکلے تو اپنی رہائش گاہ کے قریب دو تین سائن بورڈ ریستوران کے نظر آئے کہ یہاں پاکستانی کھانے ملتے ہیں۔ اسلام آباد ہوٹل سے کھانا لیا اور کمرے میں آکر کھایا۔ عصر اور مغرب پڑھ کر بازار کی سیر کو نکلے۔ دنیا کی ایک سے ایک بڑھ کر چیزوں اور ضروریات زندگی کے سامان سے دکانیں بھری ہوئی ہیں۔ رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ باہر سے لاکھوں مسلمانوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے دکانیں ہر قسم کی اشیاء سے سجی ہوئی اور لبریز تھیں۔ ٹھیک حرم کے سامنے ایک کثیر منزلہ سپر مارکٹ بن گئی ہے۔ اس ایک جگہ ہر شئے دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ صفا و مروہ کی جانب بہت بڑا بازار ہے جو متوسط طبقے کی کسی قدر ارزاں خریداری کیلئے مشہور ہے۔ ہم نے بھی یہاں سے جانمازیں، ٹوپیاں اور تسبیح وغیرہ خریدیں۔

مکہ کی زیارت گاہیں

۲۷/دسمبر کی صبح ہم لوگ مکہ سے باہر زیارت کیلئے نکلے۔ ہمارے قونصل خانہ کے ایک رکن قاضی غلام محمد ساتھ تھے۔ ایک ٹورسٹ کار کا انہوں نے بندوبست کیا۔ سب سے پہلے مکہ سے باہر جبل الثور پہنچے۔ یہاں ایک بہت بلند پہاڑ کی چوٹی پر وہ غار ہے جس میں مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ لی تھی۔ آپؐ کے ہمراہ یارِ غار حضرت ابو بکرؓ صدیق بھی تھے۔ کفار مکہ پیچھا کرتے ہوئے صبح کیوقت پہاڑ پر غار کے دہانے تک پہنچ گئے تھے مگر غار پر مکڑی کا جالا اور کبوتر کا گھونسلہ دیکھ کر خیال کیا کہ رسول اللہؐ غار کے اندر نہیں ہیں اور واپس چلے گئے۔ حضور اکرمؐ یہاں سے تین دن بعد مدینہ کیلئے آگے بڑھے۔ پہاڑ کی چڑھائی بہت دشوار ہے۔ چڑھائی کے راستے پر ایک دکان لگ گئی ہے جہاں کوک اور پیپسی وغیرہ مشروب مل جاتے ہیں۔ فوٹو گرافی کا بھی انتظام ہے۔ اسی جگہ سعودی حکومت کی جانب سے ایک بڑا بورڈ آویزاں ہے جس پر اردو سمیت کئی زبانوں میں لکھا ہے کہ پہاڑ پر نہ چڑھیں اور نہ کوئی ایسا کام کریں جو نبی کریم کو پسند نہیں اور خلاف سنت ہے۔

جبل ثور سے گاڑی چلی تو مزدلفہ کے میدان میں داخل ہوئی۔ ہم یہاں رکے نہیں اور آگے بڑھتے ہوئے میدان عرفات میں مسجد نمرہ پہنچ گئے۔ حج کے بعد عرفات، مزدلفہ اور منیٰ کی مسجدیں بند کر دی جاتی ہیں۔ عرفات میں گاڑی جبل رحمت کے سامنے جا کر رک گئی۔ یہاں بھی حکومت کی جانب سے ایک بڑا سا بورڈ لگا ہے جس پر اردو، عربی، انگریزی اور غالباً انڈونیشی زبان میں لکھا ہے کہ رسول اللہؐ حجۃ الوداع میں جبل رحمت کے اوپر نہیں گئے تھے۔ آپؐ پہاڑی کے نیچے اونٹنی پر سوار تھے اور خطبہ حج ارشاد فرمارہے تھے۔ زائرین کو تحریر کے ذریعہ منع کیا گیا ہے کہ پہاڑ پر نہ

عرفات کے میدان میں مسجد نمرہ
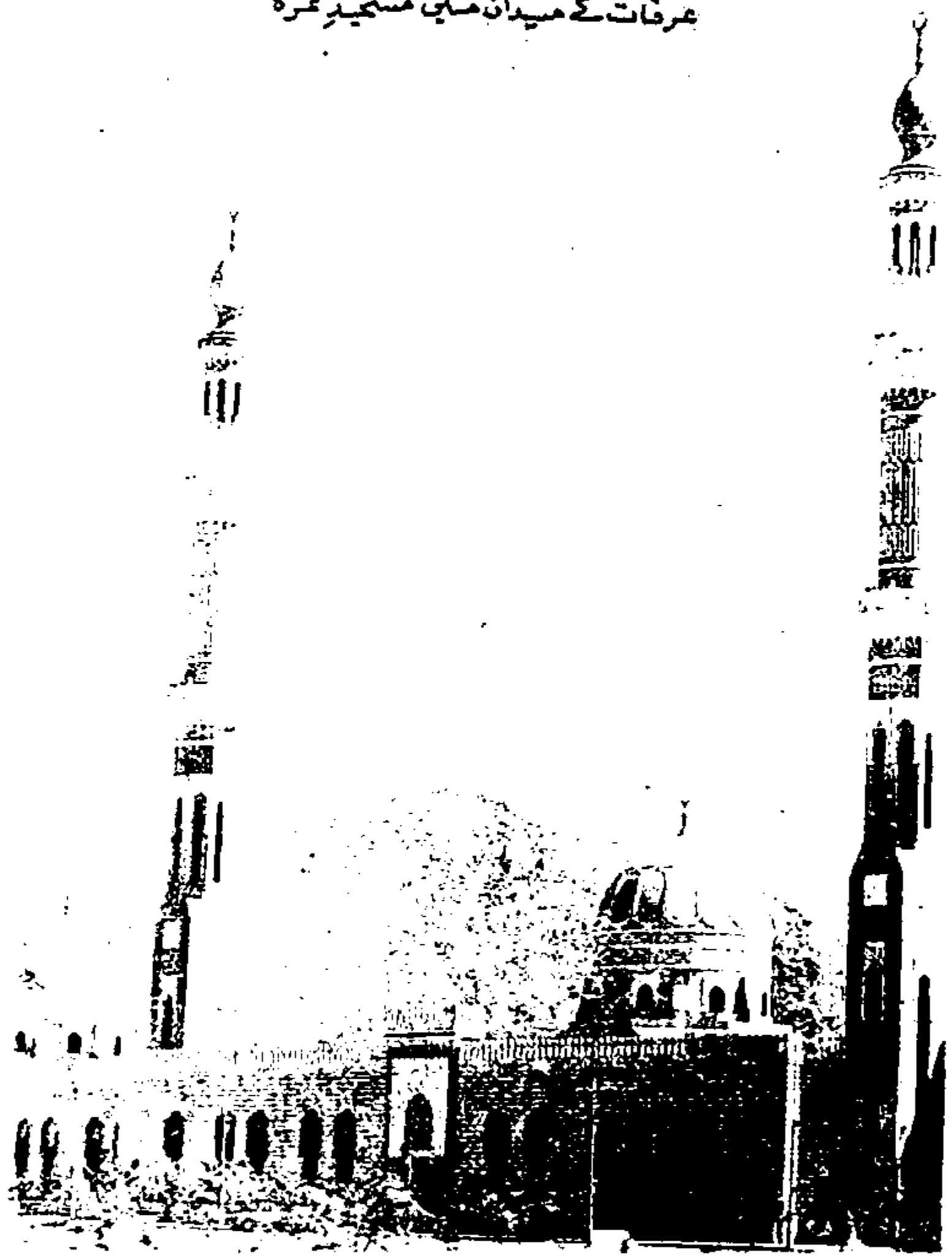
جائیں نہ وہاں کچھ لکھیں اور نہ پہاڑ پر نماز پڑھیں، چٹانوں میں منت کے دھاگے بھی نہ باندھیں۔ یہ فعل خلاف سنت ہیں۔ اس انتباہ کے باوجود لوگ کثیر تعداد میں پہاڑ کی چوٹی تک جاتے ہیں اور اس وقت بھی جا رہے تھے۔ پاکستانی مردوں اور عورتوں کا ایک جتھا آگیا اور پاس کھڑی ایک وین کی دکان سے پانی کی بوتل خرید کر سب نے وضو کیا اور نماز پڑھنے جبل رحمت پر چڑھ گئے۔ یہاں اونٹ سجا کر لائے جاتے ہیں اور لوگ ان پر سواری کر کے فوٹو کھینچواتے ہیں۔ دوپہر کا وقت تھا، دھوپ تیز تھی، ایک اونٹ والا اپنا اونٹ گھسیٹ کر پہاڑ کی بلندی پر لے گیا۔ اونٹ سخت تکلیف سے اوپر گیا اور اس سے زیادہ تکلیف سے نیچے اترا۔ جبل رحمت پر اونٹ کو اس تکلیف میں دیکھ کر وہ روایت یاد آگئی کہ نبی کریمؐ ایک جگہ سے گزر رہے تھے تو آپؐ کو دیکھ کر ایک لاغر اونٹ زور زور سے بلبلانے لگا۔ حضورؐ رک گئے اور اونٹ کے مالک کو طلب کر کے ارشاد فرمایا کہ تمہارا اونٹ مجھ سے تمہارے سلوک کی شکایت کر رہا ہے۔ اس کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔

عرفات سے چلے تو منیٰ سے گزرے۔ منیٰ میں حج ۱۹۹۷ء میں خیموں میں زبردست آگ لگ گئی تھی اس آگ میں ۸/ذی الحجہ کو ہم بھی گھرے تھے اور حج ڈیلی گیشن کے دوسرے اراکین کے ساتھ مکہ کی سمت جان بچانے کیلئے کئی کیلو میٹر تک بھاگتے چلے گئے تھے۔ منیٰ پہنچ کر وہ سارا منظر آنکھوں میں گھوم گیا۔ یہاں سے چل کر تھوڑی دیر کیلئے جبل النور کے سامنے رکے جس پر غار حرا ہے۔ اسی غار میں قرآن مجید کی پہلی سورہ اتری اور ختم المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی۔ بعثت سے پہلے حضورؐ غار حرا میں کئی کئی دن قیام فرماتے تھے۔ اس پہاڑ اور غار حرا کا وقوع ایسا ہے کہ وہاں سے خانہ کعبہ صاف نظر آتا ہے۔ اور حضورؐ اس غار میں تشریف رکھ کر کعبہ کو دیکھا کرتے تھے۔ باہمت لوگ دشوار چڑھائی طے کر کے غار حرا تک جاتے ہیں۔ جانے والے پیاس بجھانے کو اپنے ساتھ پانی

ضرور لے جاتے ہیں۔ دوپہر ہو گئی تھی، دو تین آدمی سامان خورد نوش لئے پہاڑ پر چڑھائی کیلئے آگے بڑھتے ہوئے نظر آئے۔

نبیؐ کے گھر میں

جبل نور سے گاڑی چل کر مکہ شہر میں داخل ہوئی اور مکہ کے قدیم و تاریخی قبرستان "جنت المعلیٰ" پر رکی۔ اسی قبرستان میں نبی کریمؐ کی زوجہ اوّل ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور نبیؐ کے دیگر اعزا و اقربا دفن ہیں۔ گاڑی سے اتر کر ہم نے سڑک سے ہی قبرستان کی زیارت کی، اہل القبور پر سلام بھیجا۔ اس وقت یہاں ترکی کے زائرین کا ایک جتھا بھی تھا ان

وہ مکان جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔
اب اس میں لائبریری بنادی گئی ہے۔

لوگوں نے ہم سے تعارف کیا اور ملاقات پر خوشی ظاہر کی۔ جنت معلیٰ قبرستان کی زیارت کرکے حرم کے قریب نبی کریمؐ کے مکان پر ہم آگئے۔ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کا یہ مکان تھا جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
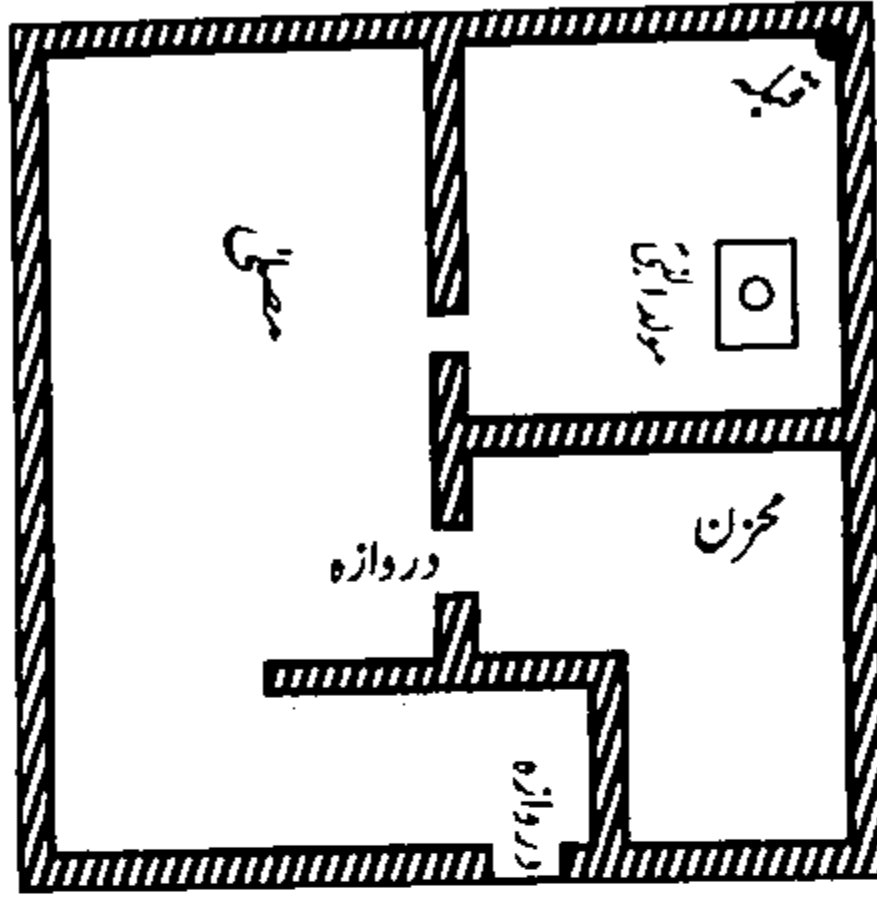
نقشہ جائے ولادت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم
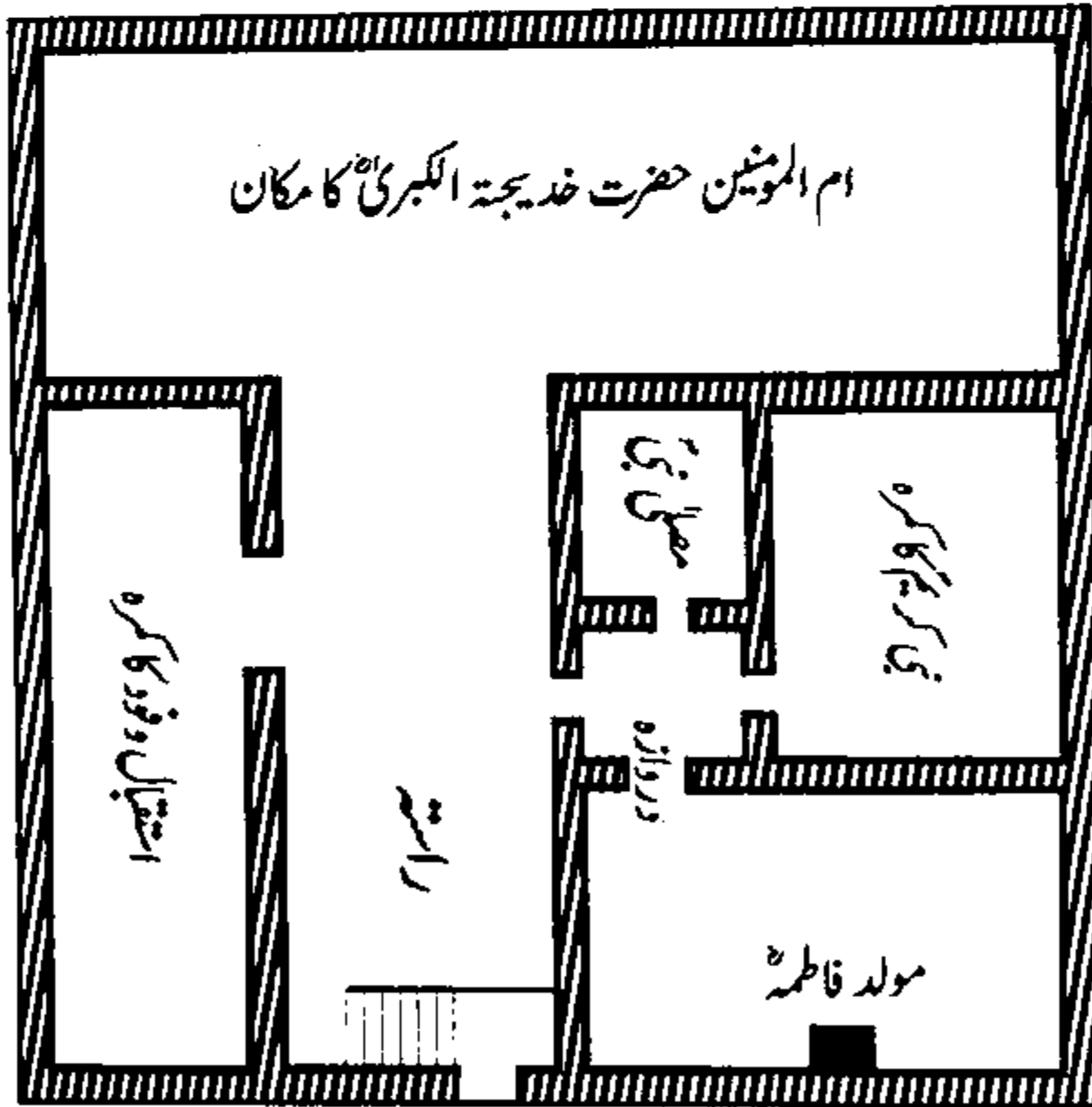
نقشہ بیت ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ

پیدائش ہوئی۔ یہ مکان لائبریری بنادیا گیا ہے۔ ہمارے رہنما قاضی غلام محمد صاحب کا احسان ہے کہ ہمیں لے کر اس مکان کے اندر گئے۔ یوں تو بارہا مکہ مکرمہ میں حاضری ہوئی اور اس مکان کو دور سے دیکھا بھی مگر اندر جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس وقت کتب خانہ بند تھا۔ لائبریرین ایک عمر رسیدہ شخص تنہا اپنی میز پر بیٹھے تھے۔ بزرگی اور شرافت ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ قاضی صاحب نے انہیں بتایا کہ ہندستان کا ایک وزیر اور صحافی زیارت کیلئے آئے ہیں تو وہ بزرگ اٹھ کر اپنی جگہ سے آئے اور گرم جوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد ایک کمرہ کھولا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے اور اس میں بھی کتابیں شلف میں سجی ہوئی ہیں۔ لائبریرین صاحب نے بتایا کہ یہی وہ مقام مسعود ہے جہاں سرکار دو عالمؐ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور ہمیں صلاح دی کہ دو رکعت نفل اسی جگہ پڑھ کر اپنے لئے دعا کریں۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو ہمارے لئے پہلے زمزم بھیجا پھر چائے بھیجی۔ ایسی خوش ذائقہ چائے ہم نے پہلے کبھی نہیں پی تھی۔ اس کے خوشگوار ذائقہ کی یاد آج بھی باقی ہے۔ یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ اس سفر میں اس مقام مبارک پر بھی حاضری ہو گئی جہاں حبیب خداؐ کا دنیا میں ورود ہوا تھا۔ اس سے دل کو بے پایاں مسرت حاصل ہوئی۔ خوشی کے مارے ہم رونے لگے اور درود شریف پڑھتے ہوئے کمرے سے باہر آئے۔ لائبریرین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور اللہ کا شکر ادا کر کے وہاں سے رخصت ہوئے۔

دوسرا عمرہ

مکہ مکرمہ میں ہمارا قیام صرف تین دن ۲۶، ۲۷ اور ۲۸؍ دسمبر ۹۷ء تک تھا۔ ۲۸؍ کو جدہ سے مدینہ منورہ دوپہر کی پرواز سے جانے کا پروگرام تھا۔ ۲۷؍ دسمبر کو زیارت گاہوں کے سفر اور بازاروں کے گشت نے کافی تھکا
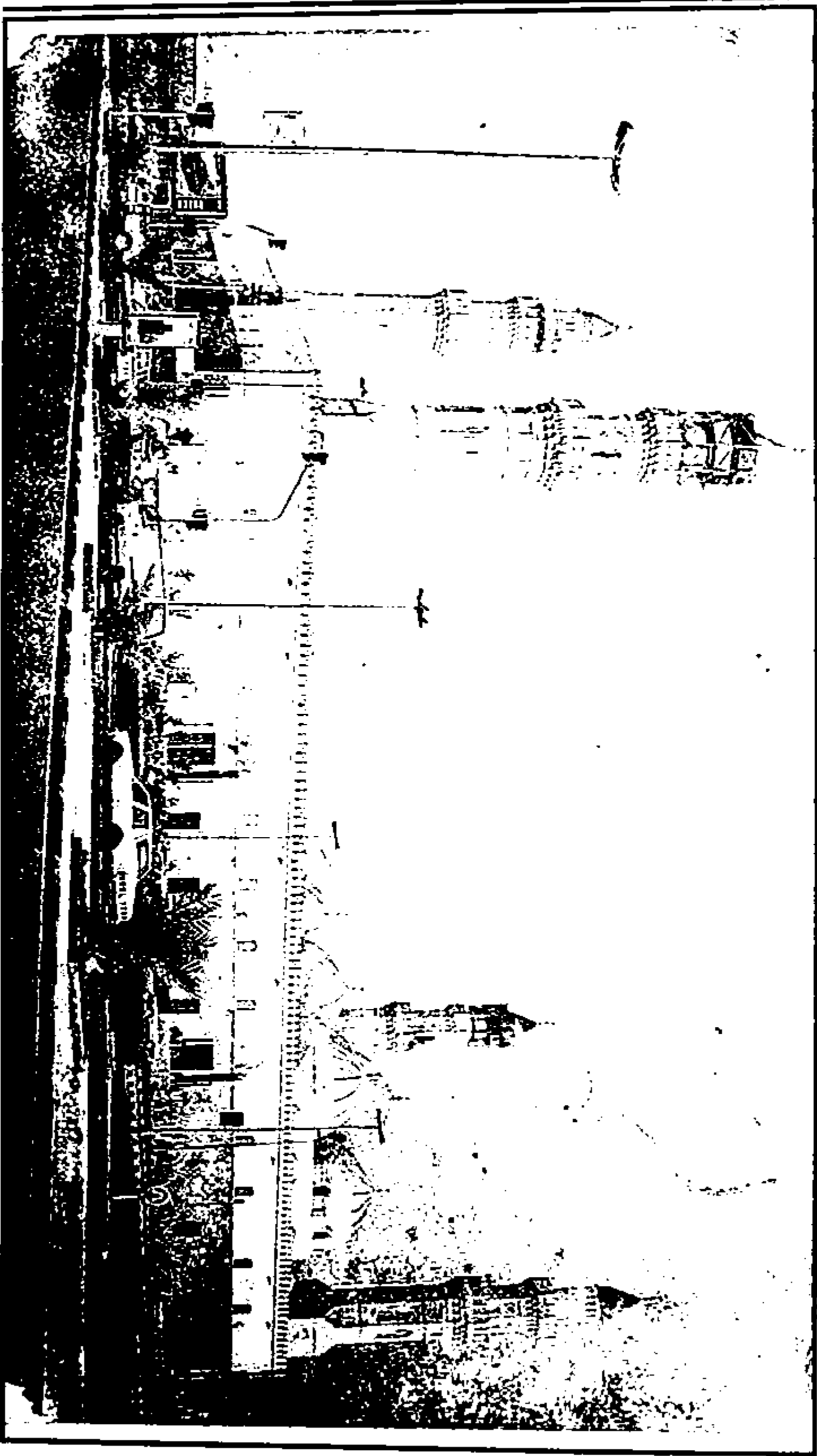
دیا تھا۔ ارادہ تھا کہ ۲۷/ دسمبر کی رات عشاء کی نماز کے بعد دوسرا عمرہ کریں گے۔ مکہ میں مقیم کو عمرہ لانے کیلئے میقات جانا پڑتا ہے۔ ایک میقات مکہ سے پانچ کیلو میٹر دور مسجد تنعیم ہے جسے مسجد عائشہؓ بھی کہا جاتا ہے۔ دوسری میقات مکہ سے گیارہ کیلو میٹر دور شمیسہ ہے۔ یہ جگہ جدہ اور مکہ کے راستے میں ہے۔ مسجد تنعیم سے عمرہ لانے کو مقامی طور پر ٹیکسی والے چھوٹا عمرہ کہتے ہیں۔ عمرہ چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا، صرف فاصلہ کی دوری بتانا مقصود ہوتا ہے۔ ہم مسجد تنعیم کیلئے عشاء پڑھ کر روانہ ہوئے۔ اس وقت مسجد بالکل خالی ہو چکی تھی، دو چار آدمی اِدھر اُدھر لیٹے ہوئے تھے۔ مکہ سے ہم نے ایک ٹیکسی لی، ڈرائیور ایک نوجوان تھا جو انتہائی البیلے پن سے ٹیکسی چلا رہا تھا اور چیونگ گم منھ میں ڈال رکھا تھا۔ باتونی تھا اپنے بگڑے ہوئے لہجے میں اس نے کچھ کہا جسے ہم سمجھ نہ سکے، قاضی غلام محمد صاحب نے اس کی بات سمجھ لی کہ وہ ہندستان کے فلم اسٹار امیتابھ بچن کی بات کر رہا تھا۔ وہ امیتابھ کا فین ہے اور اس پر خوش ہے کہ ہم امیتابھ کے ملک ہندستان سے آئے ہیں۔ ہم نے لاحول پڑھی۔ معلوم ہوا کہ وی سی آر پر لوگ پرائیوٹ طور سے ہندستان فلمیں شوق سے دیکھتے ہیں۔ جو عربی میں ڈب کر کے لائی جاتی ہیں۔ ٹیکسی والا یہ نوجوان بھی ہندستانی فلموں کا دیوانہ تھا اور امیتابھ اس کا ہیرو تھا۔ وہ خود بھی امیتابھ کی طرح سوکھا اور لمبا تھا۔ احرام ہم نے مکہ میں پہن لیا تھا۔ دو رکعت نماز مسجد تنعیم میں پڑھ کر عمرہ کی نیت کی۔ دوسرا عمرہ میں نے اپنی والدہ مرحومہ کیلئے کیا۔ مسجد تنعیم سے واپس آتے آتے رات کے ۱۱ بج گئے۔ تھکن بہت زیادہ تھی۔ اس لئے عمرہ پھر صبح پر اٹھا رکھا۔ نماز فجر کے بعد جب سورج نکل آیا تو ہم حرم میں حاضر ہوئے، طواف و سعی سے فارغ ہو کر کچھ دیر دم لیا اور پھر طوافِ رخصتی کر کے بیت اللہ کو الوداع کہا۔ بیت اللہ سے رخصتی کا وقت بڑا سخت ہوتا ہے۔ دل بھر آتا ہے اور خدا کے گھر کی جدائی بہت شاق گزرتی ہے۔

باب - ۵

روانگی مدینہ منورہ

ناشتے کے بعد اپنا سامان سمیٹا اور جدہ کیلئے سفر کو تیار ہو گئے۔ سامان اس طرح پیک کیا کہ صرف ضروری چیزیں ہینڈ بیگ میں لے کر مدینہ منورہ جائیں گے اور باقی سامان جدہ میں فرید صاحب کے گھر چھوڑ دیں گے۔ مکہ سے کوئی ۱۱ بجے دن کو نکلے۔ قونصل خانہ کی اسٹیشن وین جدہ پہنچانے کیلئے آگئی تھی۔ گاڑی تو اچھی حالت میں تھی مگر ٹائر گھسے ہوئے تھے۔ جدہ کے قریب پہنچ کر پچھلے پہیئے میں پنکچر ہو گیا۔ پہیہ بدلنے میں ڈرائیور کو آدھا گھنٹہ سے زیادہ دیر ہوئی۔ مدینہ کی فلائٹ ۲ بجے دن کو تھی وقت بہت ہی تنگ تھا۔ ہمارے ٹکٹ بھی فرید صاحب کے پاس تھے پہلے ان کی دکان پر بلد گئے، وہ وہاں نہیں ملے تو گھر کا پتہ دریافت کر کے پہنچے۔ اب وقت بالکل نہیں تھا۔ قونصل خانہ کی گاڑی ہم نے فرید صاحب کے مکان کے سامنے چھوڑ دی کہ سامان اندر پہنچا دے اور ہم اپنا ہلکا سامان لے کر فرید صاحب کی کار میں جدہ ایئر پورٹ کیلئے روانہ ہوئے۔ فرید صاحب کی نئی شیورلٹ کار ہوا سے باتیں کرتی ہوئی ایئر پورٹ پہنچی تو پرواز میں صرف آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ کاؤنٹر پر گئے تو بتایا گیا کہ بورڈنگ کارڈ بند ہو گیا ہے اور ہماری بکنگ کینسل ہو گئی، اب سوا پانچ بجے کی فلائٹ میں ویٹنگ لسٹ میں نام درج کرائیں۔ دن اور رات مل کر روزانہ جدہ اور مدینہ کے بیچ چار چھ پروازیں ہوتی ہیں۔ دوسری بکنگ کرانے کیلئے کلیم صاحب تہہ خانہ میں ایلیوٹر (Ele-vator) سے نیچے گئے۔ وہاں انہوں نے اپنا تعارف دیا تو سعودی ایئر لائنز والوں نے اتنی رعایت کی پیشکش کی صرف انہیں ۲ بجے والی فلائٹ میں جگہ دی جا سکتی ہے مگر ہمیں پانچ بجے والی فلائٹ کا انتظار کرنا ہوگا۔ کلیم صاحب نے اسے منظور نہیں کیا کہ ساتھیوں کو چھوڑ کر اکیلے مدینہ پرواز کریں۔

فرید صاحب بھی اپنی گاڑی پارک کر کے آگئے، انہوں نے بھی کوشش کی مگر کسی کی نہیں چلی۔ عربوں کی خصلت ہے کہ ایک بار "لا" (نہیں) اور "خلاص" کہہ دیا تو حرف آخر ہے اور بات ختم!

گم ہونا کلیم الدین شمس کا

ناچار ہمیں فرید صاحب کے گھر واپس آنا ہی پڑا اور دو پہر کا کھانا کھا کر پھر چار بجے ایئر پورٹ گئے۔ مدینہ فلائٹ میں ویٹنگ لسٹ سے ہماری سیٹیں کنفرم ہو گئی تھیں۔ اپنے اپنے بورڈنگ کارڈ اور سیکوریٹی چیک اپ کیلئے آگے بڑھے۔ کلیم صاحب نے ہینڈ بیگ کے علاوہ ایک چھوٹی اٹیچی ساتھ رکھی تھی وہ مصیبت بن گئی۔ سیکوریٹی چیک میں تو کسی نے اٹیچی پر اعتراض نہ کیا مگر جب بورڈنگ کیلئے خروج (EXIT) پر پہنچے تو ڈیوٹی پر موجود شخص نے کہا کہ اٹیچی لے کر جہاز کے کیبن میں نہیں جا سکتے اسے رجسٹرڈ بیگیج میں دینا ہوگا۔ یہ کہہ کر اس نے کلیم صاحب اور ملاّ کے بورڈنگ کارڈ انہیں تھما دیئے مگر میرے بورڈنگ کارڈ کا کاؤنٹر فوائیل الگ کر کے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے مزاحمت کی اور کہا کہ وہ دو میرے رفیق ہیں اور ہم ساتھ جائیں گے مگر تب تک "لا" اور "خلاص" کی نوبت آگئی اور ایک ہی دھکے میں ڈھکیل دیا گیا۔ گھوم کر دیکھا تو کلیم صاحب اور ملاّ اٹیچی جمع کرانے کاؤنٹر پر جا رہے تھے۔ خیال کیا کہ یہ کام کر کے وہ لوگ جلد واپس آ جائیں گے۔ جہاز میں جانے سے پہلے ایک بڑی سی گاڑی میں مسافروں کو بٹھا دیا گیا۔ فلائٹ میں آدھے گھنٹے سے زیادہ دیر تھی۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ کر میں نے دروازے پر نگاہیں جما دیں۔ مسافر آتے گئے اور گاڑی کی بنچوں پر بیٹھتے گئے مگر کلیم صاحب اور ملاّ صاحب کا پتہ نہیں تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ میری ہولِ دلی بڑھتی جا رہی تھی کہ ان لوگوں کے نہ آنے کا کیا سبب ہو سکتا ہے، طرح طرح کے خیالات آرہے

تھے۔ زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ میرا پاسپورٹ کلیم صاحب کی جیب میں تھا۔ بورڈنگ کارڈ لیتے وقت اور سکیوریٹی رِنگ سے گزرتے ہوئے پاسپورٹ دکھانا پڑا تھا۔ فکر یہ تھی کہ اگر مدینہ میں پاسپورٹ مانگا گیا تو کیا ہوگا؟ اس ذہنی پریشانی میں انتظار اور تفکر نے نروس کر دیا۔ اتنی دیر میں گاڑی چل پڑی اور ایک کیلو میٹر دور کھڑے جہاز کے دروازے سے گاڑی کا دروازہ لگ گیا۔ مسافر جہاز میں داخل ہوگئے۔ میں بھی پریشانی کے عالم میں داخل ہوا۔ جہاز کے دروازے پر موجود افسر سے اپنی پریشانی بتائی اور اپنے ساتھی مسافروں کے چھوٹ جانے کا حال سنایا تو اس نے وعدہ کیا کہ وہ معلوم کرے گا۔ مگر کسی نے کچھ نہیں معلوم کیا اور جہاز کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب تو میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ میں دوڑ کر کیپٹن کے کیبن تک گیا اور جہاز کے کپتان کو واقعہ بتایا۔ اس نے سنی ان سنی کر دی۔ اتنے میں اعلان ہو گیا کہ سب مسافر ٹیک آف (اڑان) کیلئے اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔ مجبوراً مجھے اپنی سیٹ پر واپس آنا پڑا۔ مدینہ تک ۳۵ منٹ کی پرواز میں بے حساب ذہنی پریشانی کا سامنا رہا۔

جہاز مدینہ ایئرپورٹ پر اتر گیا۔ ٹرمینل میں داخل ہوتے ہی میں نے اسٹاف سے رجوع کیا اور دو ساتھیوں کے جدہ ایئرپورٹ پر چھوٹ جانے کی روداد سنائی۔ جدہ سے ایک اور فلائٹ ۳۵ منٹ بعد آ رہی تھی، امید ہوئی کہ شاید کلیم صاحب اور ملا اس سے آ رہے ہوں گے۔ ایئرپورٹ پر جن صاحب سے میری بات ہوئی ان کا نام محمد تھا، وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول اور سمجھ لیتے تھے۔ انہوں نے اپنا کمپیوٹر چلا کر آنے والی فلائٹ کے مسافروں کی لسٹ دیکھی اور کہا کہ اس فلائٹ میں بھی کلیم الدین شمس اور جمشید علی ملا نام کے مسافر نہیں ہیں۔ یہ سن کر پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ تب میں نے محمد صاحب سے درخواست کی کہ ہمارے سفارت خانہ سے کوئی ہمیں لینے

آیا ہو گا تو آپ اس کا اناؤنس کردیں۔ وہ صاحب ازراہ مہربانی اٹھ کر اناؤنسنگ بوتھ تک گئے اور عربی زبان میں اعلان کیا جسے کوئی سمجھ نہ سکا۔ مایوسی اور انتہائی فکر و پریشانی کے عالم میں جیسے ہی ایک سمت نظر دوڑائی تو لوگوں کی بھیڑ میں ایک نوجوان ہندستان کا ترنگا بیج لگائے نظر آئے۔ انہیں دیکھتے ہی جان میں جان آئی۔ یہ شکور صاحب تھے اور ہمیں لینے آئے تھے ان کے ساتھ محمد امین صاحب بھی تھے جو اپنی بیگم کے ہمراہ دو بجے دن سے ایئر پورٹ پر کلیم صاحب کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ کلکتہ میں خضر پور علاقے کے رہنے والے ہیں اور اب ملازمت کے سلسلے میں مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔

شکور صاحب اور امین صاحب نے دریافت کیا کہ کلیم صاحب کہاں ہیں؟ میں نے کہا لا پتہ ہیں اور پھر سارا قصہ سنایا کہ کس طرح کلیم صاحب اور ملاّ جدہ میں چھوٹ گئے اور اب ان کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ طے پایا کہ ہم دوسری فلائٹ کو دیکھ لیں جو آرہی ہے۔ تھوڑی دیر میں جدہ سے فلائٹ آگئی۔ مسافروں کے جھرمٹ میں دور سے کلیم صاحب کی کالی ٹوپی نظر آئی۔ انہوں نے اپنی پریشانی بیان کی کہ ساتھ چھوٹ جانے سے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں کدھر گیا، وہ دیر تک مجھے ایئر پورٹ پر تلاش کرتے رہے۔ مسجد نبوی کے پڑوس میں واقع ہندستانی قونصل خانہ کے حج آفس اور ڈسپنسری کی بلڈنگ میں ہمارے قیام کا انتظام تھا۔ مدینہ میں قونصل خانہ کی کوئی گاڑی نہیں رہتی۔ اس لئے ہمیں ٹیکسی کر کے جائے رہائش تک جانا پڑا۔ اس عمارت کے انچارج ضمیر صاحب نے ہمارے لئے دو کمرے کھول دیئے ایک کمرے میں دو بیڈ اور بستر لگے تھے، دوسرے کمرے میں فرشی گدے پڑے تھے۔ کمرے صاف ستھرے اور باتھ روم کے ساتھ تھے۔

عشاء کا وقت ہو گیا تھا، اذان ہو چکی تھی، مسجد نبوی کوئی دو فرلانگ

کے فاصلے پر تھی اب عشاء کی جماعت حرم میں ملنا دشوار تھی۔ لہٰذا طے پایا کہ عشاء کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوں گے، پہلے نماز پڑھیں گے پھر نبی کریمؐ کے روضۂ اطہر پر سلام کیلئے حاضر ہوں گے۔ ۹ بجے مسجد پہنچے تو دیکھا کہ دروازے بند ہو رہے ہیں اور خدام و محافظین مسجد میں داخل نہیں ہونے دے رہے ہیں۔ اب مسجد تہجد کی اذان کے ساتھ کھلے گی۔ ہم لوگ گنبد خضریٰ کے سامنے باب جبرئیل تک پہنچ گئے تھے مگر اندر نہیں جا سکتے تھے۔ مجبورًا وہیں باہر سنگ مرمر کے فرش پر ایک کنارے عشاء قصر پڑھی اور رسالت مآب کے حضور اپنا نذرانۂ درود سلام دور سے بھیجا۔ مسجد نبوی کے ٹھیک سامنے "ہوٹل مدینہ اوبیرائے" ہے۔ یہ ایک عالیشان ہوٹل ہے جس میں ایک دن ٹھہرنے کا صرف کرایہ چھ سو پچیس (۶۲۵) ریال ہے۔ ایک کویتی رئیس کا ہوٹل ہے۔ انتظام ہندستان کے اوبیرائے گروپ کا ہے۔ عملہ زیادہ تر ہندستانی ہے۔ یہاں میرے دوست سلیمان ظفر صاحب بھی ہیں جو ہوٹل کے لانڈری مینجر ہیں۔ حج خیر سگالی وفد میں دو مرتبہ (۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۷ء) اسی ہوٹل مدینہ اوبرائے میں قیام رہا۔ ان سے تعلقات ہو گئے۔ سلیمان ظفر صاحب کو میں نے مکہ مکرمہ سے ہی فون کر دیا تھا کہ ۲۸ر دسمبر کی شام ہوٹل میں ان سے ملاقات کرنے آؤں گا مگر جدہ سے فلائٹ مس ہونے کے چکر میں سارا پروگرام الٹ گیا۔ سلیمان صاحب دیر تک انتظار کر کے عشاء بعد گھر چلے گئے۔ ہوٹل جاکر ریسپشن سے ان کے گھر فون کیا، رات کے ۱۰ بج رہے تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ گھر آکر ہم لوگ کھانا کھائیں۔ میں نے عذر کیا کہ ائیر پورٹ پر محمد امین صاحب نے اپنے گھر کھانے کا وعدہ لے لیا ہے۔ سلیمان صاحب نے دھمکی دی کہ کل یہی باسی کھانا کھلاؤں گا، میں نے کہا منظور ہے۔ دوسری شب انہوں نے اپنے گھر ہم تینوں کو پُر تکلف دعوت دی مگر کھانا بالکل تازہ تھا۔ ان کی بیگم نے محنت اور محبت سے تیار کیا تھا اور سلیمان صاحب نے اتنی ہی محبت سے کھلایا۔

دیار حبیبؐ میں پہلی رات

محمد امین صاحب کا گھر مسجد نبوی سے کافی دور مسجد قبا اور مسجد رمضان کے درمیان نواحی علاقے میں ہے۔ ان کے گھر سے کھانا کھا کر واپس آتے آتے آدھی رات ہو گئی۔ وہ بیچارے اپنی گاڑی میں لے گئے تھے اور واپس بھی لائے۔ سڑکوں پر سناٹا تھا۔ مدینہ شہر بہت پھیل گیا ہے۔ جدید طرز کی عمارتیں ہر طرف بن گئی ہیں۔ بعض علاقے بہت خوبصورت اور گلزار ہیں۔ مسجد نبوی کی توسیع اس قدر ہو گئی ہے کہ سات لاکھ نمازی بیک وقت اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مسجد کی زینت قابل دید ہے۔ اسلام کی شان نظر آتی ہے۔ مسجد کے سامنے مدینہ اوبرائے ہوٹل کے متصل مزید تین کثیر منزلہ عمارتیں مکمل ہو چکی ہیں۔ بتایا گیا کہ یہ بھی ہوٹل ہیں اور جلد کھلیں گے۔ مکہ کی طرح مدینہ کے بازار بھی انواع اقسام کے سامانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اور اسی کثرت سے گاہک بھی ہیں۔ ریٹ یکساں ہیں۔ سونے کے زیورات کی بیشمار دکانیں ہیں اور زیورات سے بھری رہتی ہیں اس وقت سونے کے زیورات کا ریٹ ۳۸ ریال فی گرام تھا (تقریباً ۳۸۰ روپیہ گرام معہ بنوائی)۔ مکہ اور جدہ میں نہ تو گرمی تھی اور نہ سردی لیکن مدینہ میں ٹھنڈ تھی۔ ضرورت بھر گرم کپڑے ہم ساتھ لے گئے تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہمارے آنے سے پہلے مدینہ میں کڑاکے کا جاڑا تھا۔ ویسے سردی آتی جاتی رہتی ہے، اس وقت قابل برداشت تھی۔

رات زیادہ ہو گئی تھی، پانی کی بوتل خریدنے کا دھیان نہیں رہا، ضمیر صاحب نے اپنے کمرے سے فوراً ہی زمزم سے بھری پلاسٹک کی ٹنکی پہنچا دی۔ مدینہ منورہ میں روزانہ ٹینکروں کے ذریعہ مکہ سے ۴۵۰ کیلو میٹر کے فاصلہ طے کر کے زمزم کا پانی پہنچایا جاتا ہے۔ خادم حرمین شریفین شاہ فہد کا یہ حسن انتظام ہے کہ مسجد نبوی میں بھی نمازیوں کیلئے سینکڑوں کنستر زمزم

سے بھرے رہتے ہیں اور کاغذ کے گلاس بھی ہوتے ہیں۔ نمازی جی بھر کے زمزم پیتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے تھرمس وغیرہ میں بھر کر گھر لے جاتے ہیں۔ حج کے زمانے میں زمزم لانے والے ٹینکروں کا مکہ اور مدینہ کے بیچ تانتا بندھا رہتا ہے۔ عام دنوں میں مسجد نبوی میں زمزم رکھنے کے علاوہ حج کے دنوں میں مسجد کے باہر پلاسٹک تھیلیوں میں ٹھنڈا کیا ہوا زمزم بھی سپلائی کیا جاتا ہے۔ مدینہ میں ۲۹ شعبان کو رمضان کا چاند ہو گیا تھا۔ دوسرے دن پہلا روزہ تھا۔ احتیاط کا یہ عالم ہے کہ مسجد نبوی میں زمزم کے کنسٹر تو اسی طرح سجے ہوئے تھے مگر کاغذی گلاس ہٹا لئے گئے تھے۔ افطار سے پہلے پھر گلاس رکھ دیئے جاتے ہیں۔ یہ احتیاط اس لئے ہے کہ کوئی روزے دار بھول کر پانی نہ پی لے، گلاس نہ پا کر اسے یاد آجائے گا کہ روزے سے ہے!

مدینہ میں پہلا دن

مدینہ منورہ میں ۲۹ر دسمبر کو صبح آنکھ کھلی تو کمرے کی کھڑکی سے باہر کے منظر پر ایک نظر ڈالی۔ رمضان گزارنے کیلئے قافلے مدینہ بھی آنے لگے تھے۔ زیادہ تر ترکی سے بسیں بھر بھر کر آرہی تھیں۔ ان میں جتنے مرد ہوتے اتنے ہی عورتیں بھی ہوتیں۔ مسجد نبوی میں اور اس کے اطراف میں بھیڑ بڑھنے لگی اور ہر گھنٹہ جو گزر رہا تھا اس میں نئے نئے قافلوں کی آمد جاری تھی۔ صبح کے وقت باہر بہت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ناشتہ کرنے کیلئے ہم باہر نکلے تو قریب ہی ایک چھوٹا سا "اسلام آباد ہوٹل" نظر آیا۔ اس میں داخل ہوئے وہاں اسٹاف ہندستانی بھی تھا اور پاکستانی بھی۔ ناشتہ کر کے مسجد نبوی کا رخ کیا۔ اب دربارِ رسالت میں سلام عرض کرنے کیلئے ہم حاضری دینے جا رہے تھے۔ مسجد کے پچھم رخ گنبد خضریٰ ہے جس کے سائے میں ہمارے آقا و مولا تاجدار مدینہ، سرکار دو عالم، رحمت للعالمین، ختم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔
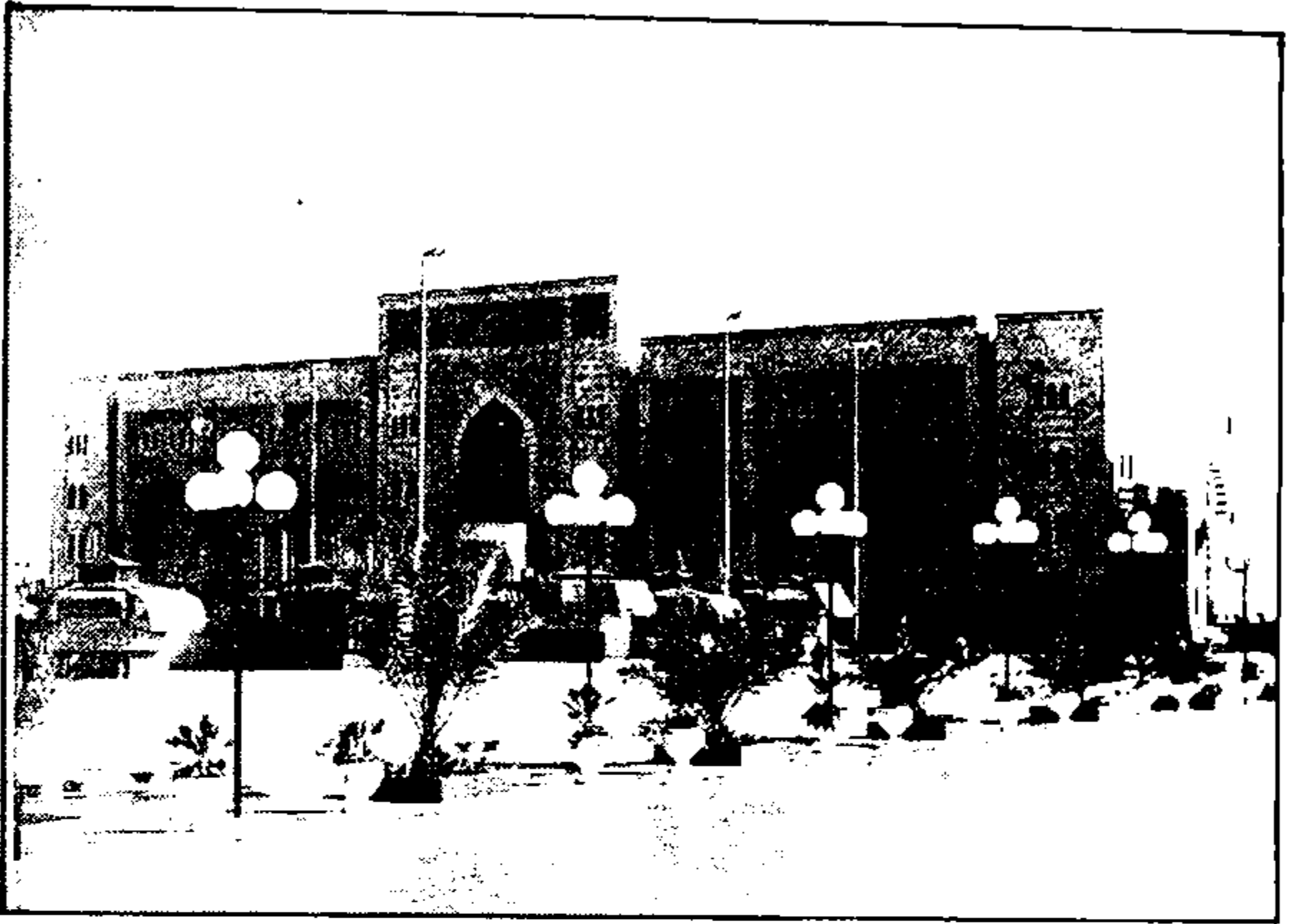
مدینہ میں شرعی عدالت کی نئی عمارت۔
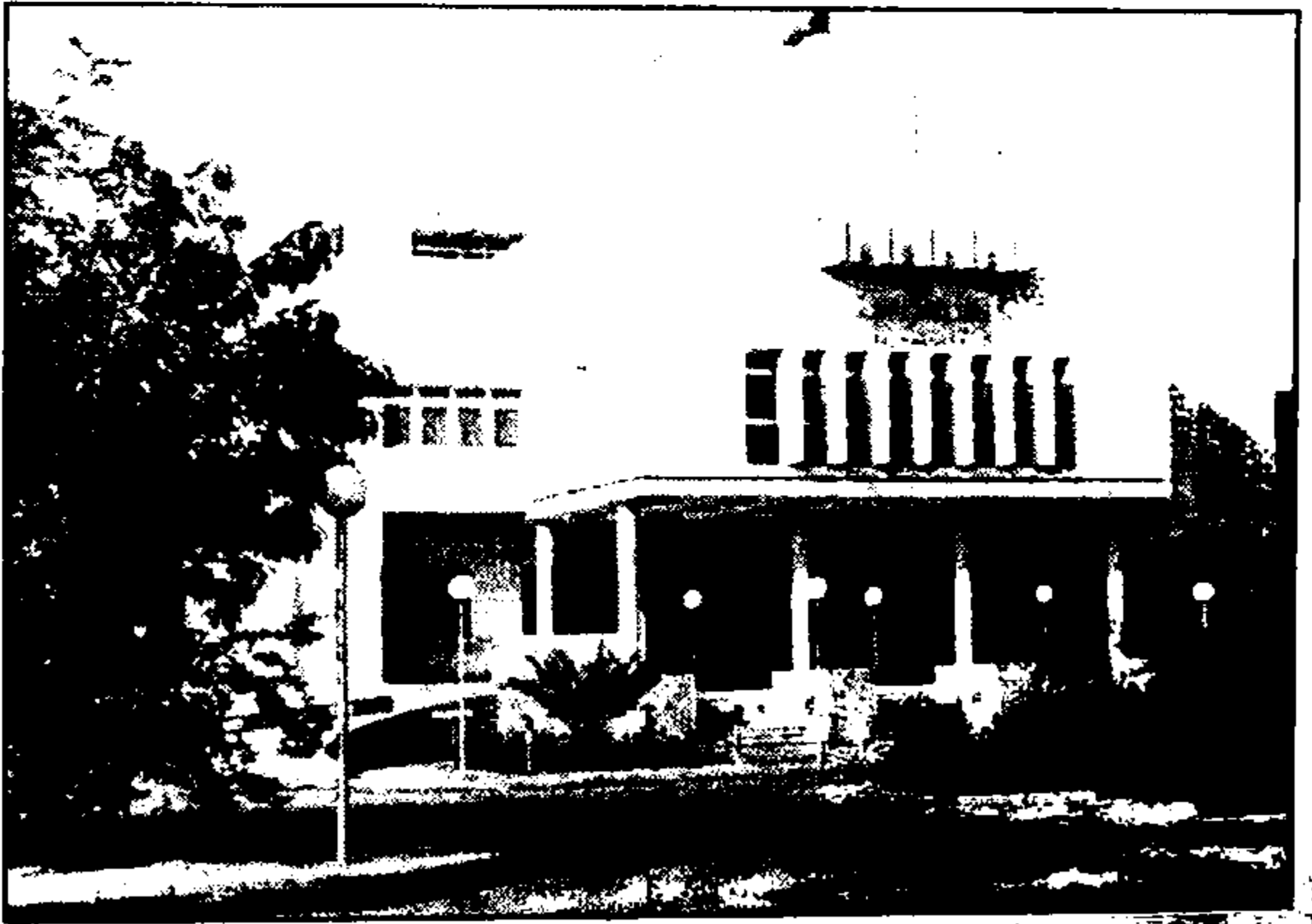
مدینہ منورہ میں مدینہ یونیورسٹی (جامعہ اسلامیہ) کی خوبصورت عمارت۔

مکہ اور مدینہ میں ایک فرق ہے جس کا لحاظ رکھنا لازم ہوتا ہے۔ مکہ میں اللہ کا جلال ہے اور مدینہ میں مصطفٰے کا جمال ہے۔ بیت اللہ میں بندوں پر بے خودی اور سرشاری طاری ہوتی ہے۔ اللہ سے بندے کے خوب راز و نیاز ہوتے ہیں۔ بندہ عاجزی سے گڑگڑاتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے، ادھر رحمت جوش میں آتی ہے اور موج زن ہوتی ہے۔ اللہ کو بندے کی یہ ادا پسند آتی ہے کہ وہ جھولی پھیلا کر مانگے اور اُن داتا اس کی خالی جھولی کو مرادوں سے اتنا بھر دے کہ تنگیِ داماں کی شکایت ہو جائے پھر حسرت رہ جائے کہ عطا و بخشش اور فضل و فیض کا خزانہ کھلا تھا تو اور بھی بہت کچھ کیوں نہ مانگ لیا۔ بندہ اپنے رب سے مانگتا ہے اور غفورالرحیم دنیا و آخرت کی نعمتیں دیتا ہے۔ اس میں ایسے مقام بھی آتے ہیں جب بندہ عالم وارفتگی میں اپنے پروردگار سے شوخی کرتا ہے — باخدا دیوانہ باش!

مگر دربار رسالت کا معاملہ مختلف ہے۔ با محمدؐ ہوشیار باش! دربار نبوی میں حاضری سراپا نیاز، باادب، باملاحظہ، ہوشیار، نگاہ روبرو، سر تسلیم خم، دل اور زبان پر درود و سلام، آنکھیں اشکبار، عجز و انکساری کا پیکر امتی اپنے نبیؐ کے در پر امید وارِ نظر کرم ---! بہت احتیاط لازم ہے، کوئی بات اور حرکت خلاف ادب نہ ہو جائے۔ فرشتے چاروں طرف کھڑے ہیں اور عرش بریں پر اللہ ذوالجلال والاکرام کو پل پل کی خبر پہنچا رہے ہیں کہ فلاں ابن فلاں دربار رسالت میں حاضر ہے اور نبیؐ پر اپنا نذرانہ درود و سلام پیش کر رہا ہے۔ سرکارِ مدینہ کو بھی فرشتے درود و سلام کی سوغات پیش کرتے ہیں کہ آپؐ کا فلاں امتی درِ رسالت پر حاضر ہے اور درود و سلام کی سوغات نذر کرتا ہے۔ شافع محشر کی نظر عنایت اپنے امتی پر ہوتی ہے۔

گزشتہ رات گنبد خضریٰ کا دیدار تو باہر ہی سے ہو گیا تھا اب اندر جا کر روضۂ اقدس کی جالی مبارک دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور دل کو
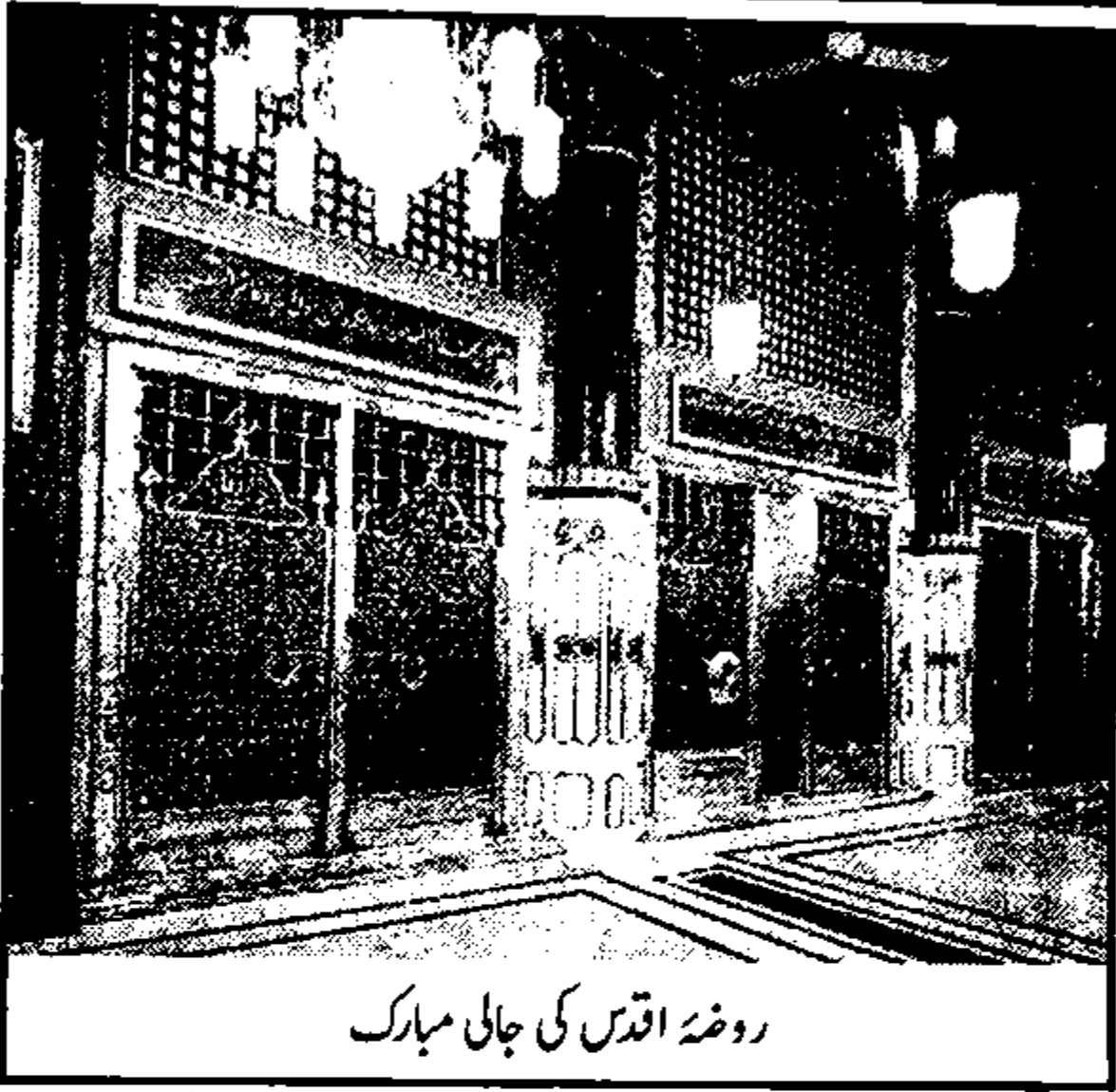
روضۂ اقدس کی جالی مبارک

قرار آیا۔ روضۂ اطہر پر صبح ۹ بجے سے ۱۱ بجے تک عورتوں کیلئے صلوٰۃ و سلام کا وقت مقرر ہے تاکہ مردوں کی بھیڑ میں انہیں دھکا نہ لگے۔ روضۂ اقدس میں باب جبرئیل سے ہم داخل ہوئے۔ عورتوں کے سلام کا وقت ختم ہو چکا تھا، مردوں کا ہجوم شروع ہو گیا تھا۔ آرام گاہ رسولؐ کے متصل جنت کی کیاری، اور منبر و محراب رسولؐ کے قریب لوگ جم کر بیٹھ جاتے ہیں، طویل نمازیں پڑھتے اور دعائیں مانگتے ہیں۔ اس وجہ سے دوسرے زائرین کو جگہ نہیں ملتی، بہت تکلیف ہوتی ہے۔ لوگوں کے اوپر سے پھاند کر جانا پڑتا ہے، پاؤں رکھو کہیں پڑتا کہیں ہے۔ کوئی سجدے میں ہے اور کوئی دھوکے سے گردن پر پاؤں رکھ کر چلا گیا۔ جلدی جلدی میں دو رکعت نماز پڑھ کر ہٹ جائیں تو سب کو آسانی سے جگہ مل جائے۔ خدام مسجد لوگوں کو مسلسل ہٹنے اور آگے بڑھنے کی تاکید کرتے ہیں مگر اثر بہت کم ہوتا ہے۔ ہم نے اس کا پورا لحاظ رکھا کہ ہماری عبادت سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ اپنے ساتھیوں کو بھی منع کر دیا کہ دیر تک لمبی دعائیں بھیڑ کی جگہ میں نہ مانگنا، دوسروں کے

حق کا خیال رکھنا۔ پوری مسجد حرم ہے، کسی بھی جگہ کھڑے یا بیٹھے جتنی چاہے دعا کرلو اور نماز پڑھو۔

مزار مبارک کے سامنے ہم پہنچے۔ جالی کے روزن سامنے تھے۔ بڑا روزن جناب رسول اللہ کے مرقد کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس سے ذرا ہٹ کر چھوٹا روزن خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اور تیسرا روزن خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے مزارات کا نشان ہے۔ اسی جگہ درود و سلام پڑھا جاتا ہے۔ یہ حضرت عائشہؓ کا حجرہ تھا جہاں نبی کریمؐ نے رحلت فرمائی۔ اسی حجرۂ عائشہ میں حضورؐ استراحت فرما ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے والد ماجد حضرت ابو بکرؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ حضور کے پائینتی جگہ پائیں۔ آخری جگہ اپنی قبر کیلئے حضرت عائشہؓ نے رکھی تھی مگر حضرت عمرؓ قاتلانہ حملہ میں شدید زخمی ہوگئے اور وصال کا وقت آ پہنچا تو امیر المومنین نے حضرت عائشہ کی خدمت میں اپنی درخواست پیش کی کہ انہیں بھی رسول اللہؐ کے پائینتی حجرے میں جگہ عنایت کی جائے۔ حضرت عائشہؓ نے بہت بڑی قربانی دی اور اپنی قبر کی جگہ حضرت عمرؓ کو بخش دی۔ حضرت عائشہؓ کو دفن کیلئے جگہ عام قبرستان مدینہ "جنت البقیع" میں ملی۔ روضہ اقدس پر نذرانہ درود و سلام پیش کرکے ہم نے دو رکعت نماز پڑھی اور کچھ دیر تلاوت کلام پاک کرکے مسجد سے باہر آگئے۔ تھوڑی دیر میں ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا اور ہم پھر مسجد میں واپس آگئے۔ بعض لوگ آداب دربار رسالت سے ناواقفیت کی بنا پر بار بار روضۂ مبارک پر سلام کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ قیام مدینہ کے دوران ایک سلام آمد پر حاضری کا اور دوسرا سلام رخصتی کا مدینہ سے جاتے وقت۔ یہی طریقہ احسن ہے۔

رمضان کا چاند

مدینہ منورہ میں ہمارے قیام کی مدت بہت مختصر تھی۔ ۲۸ر دسمبر کی

رات کو پہنچے، صرف ۲۹ر کا دن ملا اور ۳۰ر دسمبر کو ۴ بجے کی فلائٹ سے جدہ واپسی تھی۔ اس مدت میں جتنی نمازیں میسر آئیں مسجد نبوی میں ادا کیں۔ ۲۹ر دسمبر کو عشاء کی نماز میں آدھا گھنٹہ دیر کی گئی کہ شاید رمضان کا چاند ہو جائے۔ جب ۸ بجے تک چاند دیکھنے کی شہادت نہیں آئی تو عشاء کی نماز پڑھائی گئی۔ نماز ختم ہوئی اور لوگ مسجد سے نکل کر اپنے اپنے ٹھکانے پر روانہ ہوگئے۔ مسجد بند ہونے کا وقت آگیا تب ہی اچانک ۹ بجے رات کو چاند ہونے کی خبر آگئی۔ اس وقت ہم لوگ مسجد نبوی کے سامنے ہوٹل اوبیرائے کے برآمدے میں کھڑے تھے۔ رمضان کا چاند ہونے کی خبر ملتے ہی ایسا لگا جیسے چاروں طرف کرنٹ دوڑ گیا۔ عید کا چاند دیکھنے کی بھی اتنی خوشی نہیں ہوتی ہو گی جتنی رمضان کے چاند کی خوشی منائی جانے لگی۔ لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ عرب لوگ اپنے دستور کے مطابق ایک دوسرے کے رخساروں پر بوسہ دینے لگے۔ راستہ چلتے اجنبی لوگوں سے بھی مصافحہ کر کے مبارکباد دی جانے لگی۔ کوئی کھجوروں کا پیکٹ لے کر دوڑا اور کھجوریں تقسیم کرنے لگا۔ مسجد نبوی میں تراویح کا اعلان ہوا اور ذرا دیر میں ہزاروں لوگ تراویح پڑھنے مسجد میں جمع ہو گئے۔

لوگ بتا رہے تھے کہ رمضان کی بہار دیکھنا ہے تو مکہ اور مدینہ میں بیت اللہ اور مسجد نبوی میں دیکھو۔ مقامی عربوں کا دستور ہے کہ اپنے ساتھ ڈھیر سا سامانِ افطار لے کر حرمین آجاتے ہیں اور روزے داروں کو اپنے دسترخواں پر دعوت افطار دیتے ہیں۔ ہندستان کی طرح وہاں ”سیاسی اور سماجی“ افطار پارٹیاں نہیں ہوتیں کہ افطار کی نمائش اور تشہیر ہوتی ہے۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں سینکڑوں ہزاروں دسترخوان بچھ جاتے ہیں اور عرب ہاتھ پکڑ کر اپنے دسترخوان پر روزہ داروں کو بٹھا لیتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے بچوں کو مسجد میں کھڑا کردیتے ہیں کہ مہمان کا ہاتھ پکڑ کر دسترخوان پر

لانے کی گزارش کرو۔ بچے کی درخواست رد کرنا دشوار ہوتا ہے۔ اگر کسی کے دستر خوان پر کوئی نہ آیا یا کم لوگ بیٹھے تو وہ بہت اداس ہو جاتا ہے۔ رمضان میں عرب دل کھول کر راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ نظم و ضبط کا یہ عالم ہوتا ہے کہ حرمین کے اندر پلاسٹک کے دستر خوان بچھائے جاتے ہیں اور ان پر افطار کا سامان سجا ہوتا ہے۔ چند منٹ میں افطار ختم اور آناً فاناً سب دستر خوان سمیٹ کر ایک کنارے کر دیئے جاتے ہیں۔ نماز کی جگہ بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ کوئی شئے ادھر ادھر بکھری نہیں رہتی نماز کیلئے صفیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ۳۰/دسمبر ۹۷ء کو سعودی عرب اور دیگر پڑوسی عرب ملکوں میں پہلا روزہ تھا۔ افطار کی بہار ہم مدینہ منورہ میں نہیں دیکھ سکے۔ اس کا قلق رہا۔ اسی دن ۴ بجے کی فلائٹ سے جدہ واپسی ہوئی۔ جدہ میں ہمارے میزبان محمد فرید صاحب ایئر پورٹ پر موجود تھے۔ اپنی گاڑی میں جلدی سے گھر پہنچایا۔ افطار کا وقت ہو رہا تھا۔ روزہ ان کے گھر پر کھلا اور نماز کیلئے پاس ہی واقع مسجد میں گئے۔ کافی تعداد میں نمازی موجود تھے۔

پان اور سگریٹ کی ممانعت

سعودی حکومت نے مکہ اور مدینہ میں پان کی خرید و فروخت اور کھانے پر پابندی لگا دی ہے۔ مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے دو کیلو میٹر کے اندر سگریٹ نوشی اور خرید و فروخت بھی ممنوع کر دی گئی ہے۔ کلیم الدین شمس صاحب زردہ کے ساتھ پان کھانے کے عادی ہیں۔ پان کھانے کی عادت انہیں طالب علمی کے زمانے میں پڑی۔ کثرت سے پان چبانے کی وجہ سے جلد ہی اپنے دانتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، بتیسی لگ گئی، اب سپاری کے بغیر دن میں ۱۰-۱۲ پان کھا لیتے ہیں اور اسی حساب سے زردہ بھی پھانکتے ہیں۔ عمان اور بغداد میں کلیم صاحب نے پان بہت تلاش کیا مگر وہاں اس کا کسی نے نام بھی نہیں سنا تھا۔ بغداد پہنچتے پہنچتے پان کی طلب نے شدت

اختیار کرلی تو بغداد میں ہندستانی سفارت خانہ کے ناظم الامور مسٹر سومن رے نے ان کی مشکل آسان کرنے کی صورت نکالی۔ ہندستان سے کسی دوست نے پان پراگ اور زردہ کا ڈبہ انہیں بھیجا تھا۔ مسٹر رے نے وہ دونوں ڈبے کلیم صاحب کے حوالے کیے جس سے ان کا کام چلنے لگا۔

خیال تھا کہ مکہ اور مدینہ میں پان ملے گا۔ پہلے وہاں آسانی سے پان مل جاتا تھا۔ دکانیں کھل گئیں تھیں لیکن اب پابندی لگ گئی ہے۔ انسان کا بھی عجب معاملہ ہے کہ پابندی کی خلاف ورزی جیسے اس کی سرشت میں داخل ہے۔ حضرت آدمؑ پر جنت میں شجر ممنوعہ کی پابندی تھی اور اس کی خلاف ورزی پر جنت سے نکالے گئے۔ حرمین میں پان پر پابندی ہے تو لوگوں نے اس کا بھی راستہ نکال لیا۔ مکہ میں ہندستانی قونصل کی ڈسپنسری عمارت سے متصل ایک گلی میں کسی مکان کے پوشیدہ حصے میں چھپا کر پان بیچا جاتا ہے اور کھانے والے بھی چھپا کر اس طرح کھاتے ہیں کہ راستے میں نہ تو پیک تھوکتے ہیں اور نہ ہونٹ لال ہونے دیتے ہیں۔ مکہ میں صفائی کا بہت زیادہ اہتمام ہے۔ ہر سال حج سے پہلے شہر کی تمام عمارتوں کی وائٹ واش کرنا لازمی ہے۔ پان کھانے والی مخلوق جگالی کرتے ہوئے راستے میں دیواروں پر پیک تھوک دیتی تھی۔ یہ عادت ہندستانی، پاکستانی اور بنگلہ دیش والوں میں تھی، اس کی وجہ سے پان پر پابندی لگا دی گئی اب صرف چوری سے پان دستیاب ہے۔ اللہ کے گھر میں بیٹھ کر بھی لوگ قانون شکنی سے باز نہیں آتے۔

رب کعبہ کی میزبانی

مکہ میں حرم سے عمرہ کرکے نکلے تو کلیم صاحب کو پان یاد آگیا۔ کئی روز سے انہیں پان میسر نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے پان کی خواہش کی اور "میزبان مکہ" نے فوراً پان کا انتظام کر دیا۔ قونصل خانہ کے ڈرائیور کو معلوم

ہوا کہ کلیم صاحب کو پان کی تلاش ہے تو وہ اسی گلی کے خفیہ ٹھکانے سے دو چار گلوریاں بنوا کر اوپر کمرے میں لے آیا۔ کلیم صاحب پان دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ میں نے کہا اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں، یہاں کے معاملات ایسے ہی ہیں۔ حج اور عمرہ کو آنے والے اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اور اللہ سے اچھا "میزبان" کون ہو سکتا ہے۔ اللہ کو اپنے مہمانوں کی ہر طرح خاطر ملحوظ ہوتی ہے۔ آپ نے پان مانگا، رب کعبہ نے فوراً پان بھجوا دیا، اس وقت آپ کچھ اور مانگتے تو وہ بھی ملتا، اللہ کا شکر ادا کیجئے۔ پھر انہیں اپنے ایک دو واقعات سنائے کہ ۱۹۷۰ء میں پہلے حج میں منیٰ میں بچھانے کیلئے دری کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بازار میں مناسب قیمت پر اچھی دری نہیں ملی تو فکر لگ گئی کہ صبح منیٰ کیلئے جائیں گے تو ریتیلے فرش پر کیا بچھائیں گے؟ رات کو یہ فکر دامن گیر ہوئی اور فجر کی نماز کے بعد مدرسہ صولتیہ میں جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا، زینے پر کسی نے پکارا۔ "ایڈیٹر صاحب۔ ایڈیٹر صاحب" میں حیران کہ مکہ میں ایڈیٹر صاحب کو جاننے والا اور پکارنے والا کون آ گیا۔ دروازہ کھولا تو ایک واقف کار حسین بنون کھڑے تھے (اللہ انہیں غریق رحمت کرے) ان کے ہاتھ میں ایک بنڈل تھا۔ بہت تکلف سے اور شرماتے ہوئے نظریں نیچی کر کے کہنے لگے، ایک حقیر سا نذرانہ ہے قبول کر لیجئے۔ بنڈل کھولا تو اس میں دری نکلی۔ میں نے بنون صاحب سے پوچھا، آپ کو دری لانے کا خیال کیسے آیا؟ کہنے لگے ہاں، نہ جانے یہ خیال کیسے ہوا کہ آپ کو شاید دری کی ضرورت ہو گی۔ میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ بنون صاحب سے عرض کیا، یہ دری آپ اپنے سے نہیں لائے، انہوں نے بھجوائی ہے جن کا گھر ادھر ہے، اور ہاتھ اٹھا کر ایک سمت اشارہ کیا جدھر بیت اللہ ہے۔ یہ واقعہ میں نے تفصیل سے اپنی کتاب "اللہ کے گھر میں" کراماتی دری کے عنوان سے قلم بند کیا تھا۔

کلیم صاحب کو ایک اور واقعہ سنایا۔ ۱۹۸۶ء میں والدہ مرحومہ کیلئے حج

بدل کرنے گیا تھا۔ حرم کے ٹھیک سامنے اجیاد اسپتال کے متصل ایک مکان میں چوتھی منزل پر کمرہ کرائے پر لیا۔ گھر والے ساتھ تھے مگر کھانے پینے کا کوئی مناسب انتظام نہیں تھا، کبھی کھچڑی پک گئی، کبھی انڈے تل لئے، کبھی روٹی دہی کھا لیا۔ ایک دن کھڑکی میں سے حرم کے میناروں کو دیکھ رہا تھا۔ یوں ہی شوخی سے کہنا شروع کیا کہ ہم ان کے مہمان ہیں اور وہ کچھ زیادہ توجہ نہیں کر رہے ہیں، ہماری خاطر نہیں ہو رہی ہے، کئی روز سے ابلا سبلا کھانا کھا رہے ہیں۔ بات آئی گئی ہوئی لیکن رب کعبہ کو یہ کب منظور تھا کہ ان کا مہمان شکوہ کر کے نکل جائے۔ تھوڑی دیر بعد زینے پر آواز آئی "سعید صاحب" اٹھ کر دیکھا تو "پیغام" اخبار (کانپور) کے ایڈیٹر وجیہ الدین صاحب بڑا سا ٹفن کیریئر لئے کھڑے ہیں۔ وہ ہمارے لئے بریانی اور مرغی پکوا کر لائے تھے۔ ان سے بھی یہی سوال کیا کہ یہ زحمت کیوں فرمائی۔ کہنے لگے بس اچانک خیال آگیا کہ ہم لوگوں نے اپنے لئے جو کچھ پکایا ہے اس میں آپ کو بھی شریک کریں۔ میں نے عرض کیا، بھائی ابھی میزبان حرم سے شکوہ ہو رہا تھا کہ آپ کے مہمان کو کھانا اچھا نہیں مل رہا ہے اور انہوں نے اسی وقت آپ کو بریانی اور مرغی لانے کا آرڈر کر دیا۔ وجیہ الدین صاحب یہ سن کر سناٹے میں آگئے اور دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے۔ ہم سب بھی اس واقعہ پر حیران تھے۔ مگر اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ اللہ اپنے بندوں کو کس کس طرح نوازتا اور ان کے کیسے کیسے دلار کرتا ہے، یہ اس کی ربوبیت اور رزاقی ہے جس کا مظاہرہ حرمین میں خوب ہوتا ہے۔

کلیم صاحب کے انتخابی مقدمے کا معاملہ تو بالکل تازہ اور کھلا ہوا قصہ ہے۔ انہوں نے نل ہٹی (بیر بھوم) سے الیکشن لڑتے وقت عمرہ کی منت مانی تھی۔ الیکشن جیت گئے تو ان کے ایک حریف نے انتخابی عذرداری کلکتہ ہائی کورٹ میں دائر کر دی۔ ڈیڑھ سال سے مقدمہ چل رہا تھا اور کلیم

صاحب ذہنی طور پر پریشان و فکر مند تھے۔ ادھر انہوں نے عمرہ کیا اور غلاف کعبہ پکڑ کر اللہ سے دعا کی کہ مقدمہ میں کامیابی عطا ہو، دعا اسی وقت قبول ہوئی۔ مقدس سفر سے وہ پہلی جنوری ۱۹۹۸ء کو کلکتہ واپس آئے اور ۷ر جنوری کو مقدمہ کا فیصلہ ان کے حق میں سنا دیا گیا۔ یہ اور ایسے ہی واقعات محض اتفاقات نہیں ہو سکتے، یہ اللہ کی رحمت اور بخشش و عطا کی نشانیاں ہیں اور ایمان والوں کیلئے اس میں تفکر اور تشکر ہے۔

پاکستانیوں کی سینہ زوری

مسجد نبوی اور دربارِ رسالت میں حاضری کے وقت آداب کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس مرتبہ مسجد نبوی میں ایک نئی بات دیکھنے میں آئی جیسی پہلے کبھی نہ دیکھی اور نہ سنی۔ مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں جماعت کی نماز ختم ہونے کے بعد لوگ منتشر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ نماز پڑھا کر امام دعا نہیں مانگتے۔ کچھ توقف اس لئے ہوتا ہے کہ اگر کوئی جنازہ لایا گیا ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کا لاوڈ اسپیکر سے اعلان ہوتا ہے۔ اور نماز جنازہ کے بعد لوگ مسجد سے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ فرض نماز کے بعد سنتیں پڑھتے ہیں ان کے سامنے سے لوگ گزرتے رہتے ہیں۔ حرمین کی دونوں مسجدوں کا یہ عام دستور ہے اور اس کا نہ کوئی برا مانتا ہے نہ روکتا ٹوکتا ہے لیکن اب پاکستانیوں نے یہ "جدت" (بدعت) کی ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے وقت ان کے سامنے سے کوئی گزرے تو اس کو روکتے ہیں اور ہاتھ یا ٹانگ اڑاتے ہیں۔ مغرب پڑھ کر میں جانے لگا تو دفعتاً محسوس ہوا کہ کوئی میری ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے۔ ایک صاحب جو وضع قطع سے پاکستانی معلوم ہوتے تھے نماز پڑھ رہے تھے۔ انہیں یہ برداشت نہیں ہوا کہ کوئی بشر ان کے سامنے سے نکل جائے جبکہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ لہٰذا نماز کی حالت میں میری ٹانگ پکڑ لی اور میں گرتے گرتے بچا۔ اپنی ٹانگ ان کی

گرفت سے چھڑانے کیلئے مجھے جست لگانا پڑی۔ آگے بڑھے تو ایک اور پاکستانی صاحب کا سامنا ہوا۔ وہ نماز میں کھڑے تھے، یہ زیادہ طاقتور ثابت ہوئے۔ انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ ریل کے سگنل کی طرح کھڑا کر کے میرے سینے سے لگا دیا۔ میں نے زور لگانے کی کوشش کی مگر ان صاحب نے اپنے ہاتھ پر پوری طاقت لگا دی اور مجھے نکلنے نہیں دیا۔ میں نے پیچھے ہٹنے اور ان سے کترا کر آگے جانے میں عافیت سمجھی۔ اس کے بعد کسی پاکستانی صورت والے کے سامنے سے نماز کی حالت میں نکلنے کی جسارت نہیں کی۔ عرب اور دوسرے ملکوں کے مسلمان ایسا نہیں کرتے، حرم میں یہ شہ زوری صرف پاکستانی حضرات نے شروع کی ہے اور آداب حرمین کو بھلا دیا ہے۔

۲۹/دسمبر کو مدینہ منورہ سے ہماری رخصتی تھی اور یہ پہلے روزے کا دن تھا۔ رمضان کے دنوں میں مدینہ کے زیادہ تر بازار دن کے وقت بند رہتے ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء کی دکانیں ظہر کے بعد کھلنا شروع ہوتی ہیں تب لوگ افطار کیلئے سامان خورد و نوش خریدتے ہیں۔ ہوٹل مکمل طور سے بند رہتے ہیں۔ بے روزہ دار کھلے عام کھا پی نہیں سکتے۔ مطوّے (محتسب) گشت پر رہتے ہیں۔ ہم لوگ سو کر اٹھے ہی تھے کہ ضمیر صاحب نے آکر خبر دی کہ قومی اقلیتی کمیشن کے چیئر مین پروفیسر طاہر محمود صاحب بھی آگئے ہیں اور نیچے منزل میں ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ بھی انڈین امبیسی کی اسی عمارت میں آکر ٹھہرے تھے۔ طاہر محمود صاحب کی خبر سن کر میں اور کلیم صاحب فوراً نیچے گئے۔ طاہر محمود صاحب نے بتایا کہ وہ ابھی ابھی جدہ سے مدینہ پہنچے ہیں۔ صبح ۵½ بجے کار سے روانہ ہوئے اور چار سو (۴۰۰) کیلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے ۹ بجے سے پہلے مدینہ آگئے۔ ان کی فیملی کے لوگ بھی ساتھ تھے۔ چند منٹ مختلف موضوعات پر گفتگو رہی۔ سلام کیلئے مسجد نبوی جانے کی انہیں بھی جلدی تھی اور اسی شام ریاض کیلئے روانہ ہونے والے

تھے۔ ہم کو بھی سلام رخصتی کیلئے دربار نبوی میں حاضر ہونا تھا، اس لئے یہ محفل جلد ہی اٹھ گئی۔ سابق چیف جسٹس آف انڈیا احمدی صاحب بھی دو دن قبل مدینہ ہو کر گئے تھے۔ ان سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ طاہر محمود صاحب سے مدینہ منورہ میں مل کر بہت خوشی ہوئی۔ ملت مسلمہ کے مسائل پر ان کی گہری نظر ہے۔ اور اقلیتی کمیشن کے چیئر مین کی حیثیت سے اقلیتوں کیلئے وہ تن دہی سے کام کرنا چاہتے ہیں۔

مدینہ سے رخصتی

پہلے روزہ کی صبح ہم باہر نکلے تو دیکھا کہ راستے زیادہ تر سنسان پڑے ہیں، دکانیں اور بازار بند ہیں۔ ہم لوگ مسجد نبوی میں باب جبرئیل سے اندر گئے۔ اس وقت روضۂ اقدس پر ہجوم کم تھا۔ آسانی سے صلوٰۃ و سلام اور جالی
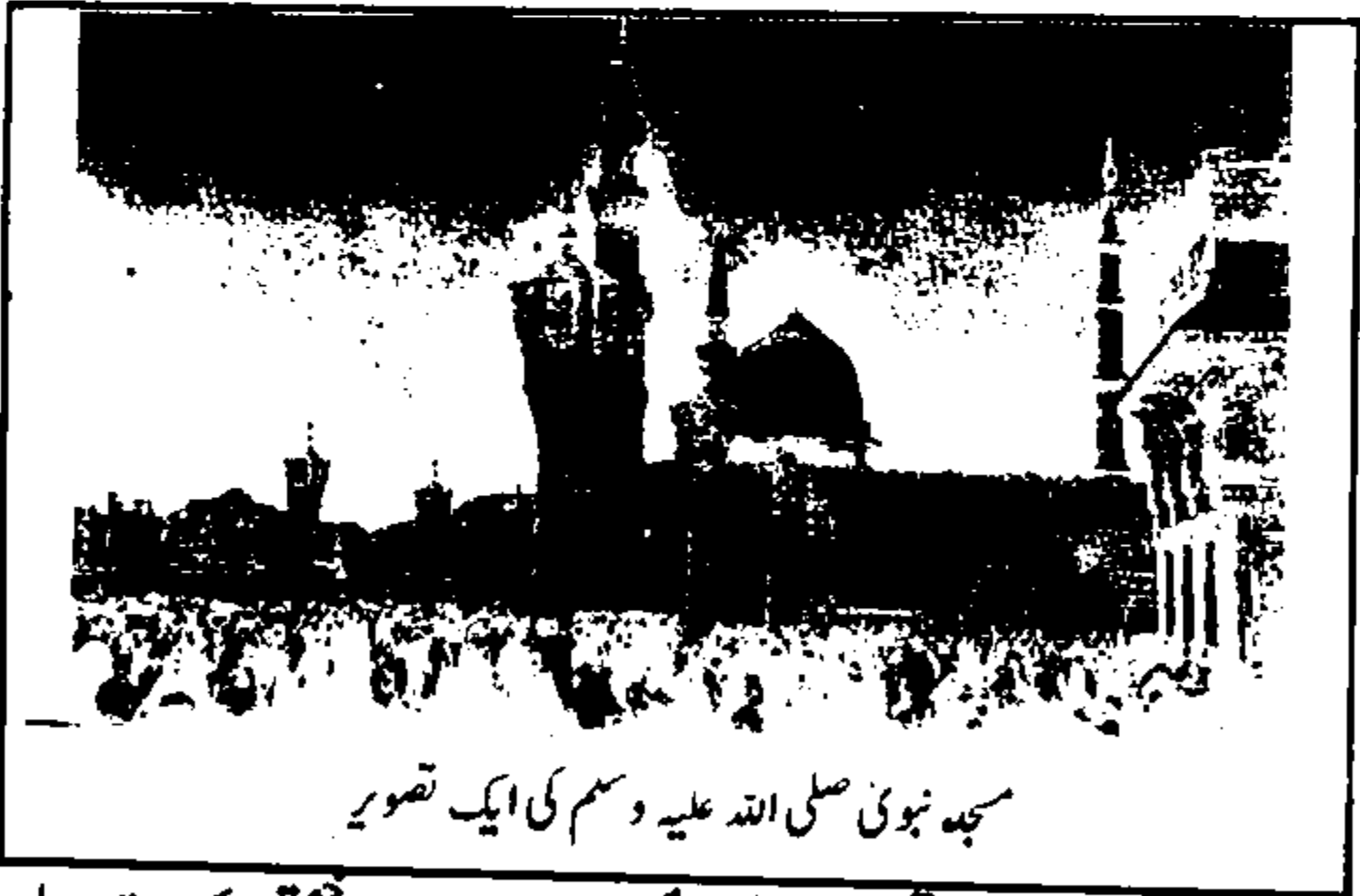
مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تصویر

مبارک کے دیدار کا موقع ملا۔ نبی کریمؐ کے روضہ سے رخصتی کے وقت دل کا ملول ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ یہ دعا کرکے ہم وہاں سے چلے کہ اللہ تعالیٰ پھر کبھی مدینہ بلاکر روضۂ پاک کے دیدار کی سعادت بخشے۔ کلیم صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ جنت البقیع پر جاکر فاتحہ پڑھیں گے۔ مدینہ کا

یہ قبرستان اب بہت وسیع کر دیا گیا ہے اور اس کی باؤنڈری کے نیچے چھوٹی چھوٹی دکانیں کھل گئی ہیں جن میں مختلف سامانوں کے علاوہ تسبیح، ٹوپی، اسکارف اور جانمازیں بھی ملتی ہیں۔ ہم نے یہاں سے بھی تسبیح کا ایک ایک پیکٹ خریدا۔ باؤنڈری کے ساتھ زینہ اور پلیٹ فارم بنائے گئے ہیں جہاں سے زائرین مکمل طور سے جنت البقیع کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ ہم نے پلیٹ فارم پر جا کر اہل القبور پر سلام بھیجا اور فاتحہ پڑھی، پھر نیچے آئے۔ گنبد خضریٰ اب بھی اپنی نورانی آب و تاب کے ساتھ جلوہ ریز تھا۔ کھلا آسمان، اجلی دھوپ اور رمضان المبارک کی پہلی صبح میں سبز گنبد کا نظارہ بہت کیف آور تھا، دل مسحور ہوا جارہا تھا۔ نگاہ گنبد سے نہیں ہٹ رہی تھی۔ مسجد نبوی کے بلند و بالا مینارے مسجد کے عالیشان دروازے جن پر سونے کے پتر چڑھائے گئے ہیں اور ہر دروازے پر طغرے میں "محمد رسول اللہ" لکھا ہے، یہ سب منظر آنکھوں میں بسا کر اور ایک بار پھر زندگی میں دیدار مدینہ اور حاضری مسجد نبوی کی دعا کر کے ہم لوگ بوجھل قدموں سے آگے چلے۔ دل بھی بوجھل ہو گئے تھے، ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے خیال میں گم تھا۔ جب تک ہم مسجد نبوی پار کر کے فاصلے پر نہیں پہنچ گئے آپس میں بات نہیں کی، اس وقت خاموشی اچھی لگ رہی تھی۔

مسجد نبوی کے متصل محلے میں ایک حلقہ کے اندر کھجوروں اور دوسرے خشک میووں کی دکانیں کھل گئی تھیں۔ یہاں سے کھجوریں خریدی گئیں۔ مکہ معظمہ کا سب سے بڑا تحفہ آب زمزم اور مدینہ کا لاجواب تحفہ کھجوریں ہیں۔ ایک دکان سے کلیم صاحب اور ملّا صاحب نے گھر کی دیواروں پر سجانے کیلئے طغرے اور مکہ مدینہ کی نقشین طلائی پلیٹیں خریدیں۔ ظہر بعد جدہ جانے کیلئے مدینہ ایئر پورٹ پہنچنا تھا۔ مدینہ اور وہاں سے جدہ واپسی کیلئے ہم نے پرواز کا اہتمام اس خیال سے کیا تھا کہ اس سے وقت بچے گا اور وہی

وقت ہم مدینہ میں گزاریں گے مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ ہوائی جہازوں کے چکر میں وقت زیادہ صرف ہوا اور پریشانیاں اوپر سے الگ ہوئیں۔ کار کے ذریعہ آرام سے ۴-۵ گھنٹے میں مکہ سے یا جدہ سے مدینہ تک سفر طے ہو جاتا ہے۔ جدہ ایئر پورٹ پر پہلی فلائٹ مس ہو جانے اور دوسری فلائیٹ میں کلیم صاحب اور ملاّ صاحب کے چھوٹ جانے کے واقعہ سے سبق سیکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا ظہر بعد فوراً مدینہ ایئر پورٹ کیلئے روانہ ہو گئے اور وقت سے کافی پہلے پہنچ گئے۔ ایئر پورٹ پر سکیوریٹی چیک کے وقت صرف ایک اڑچن حائل ہوئی۔ سامان تو کچھ ایسا نہیں تھا اور جو کچھ تھا وہ ہم نے پہلے ہی لگیج میں دے دیا تھا۔

سکیوریٹی چیک پر جو عرب کھڑا تھا سخت مزاج اور بدزبان تھا۔ لکڑی کے محراب نما سکیوریٹی فریم سے گزرنے پر کسی کی جیب میں میٹل (دھات) کی کوئی چیز ہو تو آلے سے سیٹی کی آواز آتی ہے اور جامہ تلاشی لینے والا دیکھتا ہے کہ کون سی چیز ہے جس کی خبر آلہ دے رہا ہے، کوئی ہتھیار تو نہیں؟ میں بے عذر گزر گیا اور کلیرنس مل گیا۔ میرے پیچھے ملاّ تھے۔ وہ رنگ برنگے پتھروں کی ڈھیر ساری انگوٹھیاں پہنے تھے، ان کی انگلیاں انگوٹھیوں سے بھری ہوئی تھیں، میٹل جانچنے والے آلہ نے اس زور سے سیٹی بجائی کہ چیکنگ کرنے والا اچھل پڑا اور اس نے عربی میں جھلا کر کچھ کہا جو ملاّ کے پلے پڑا نہیں۔ (زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمی دانم) اس پر وہ عرب بگڑ گیا اور بڑبڑانے لگا۔ ملاّ کو اس نے ایک طرف کھینچا اور اشارے سے کہا سب جیبیں خالی کرو اور سب انگوٹھیاں اور گھڑی اتار کر ٹوکری میں رکھو۔ بیچارہ ملاّ گھبرا کر جلدی جلدی جیبیں خالی کرنے لگا، انگوٹھیاں اور گھڑی بھی اتار دی۔ تب تک کلیم الدین شمس نے اپنا پاسپورٹ عرب سکیوریٹی افسر کے سامنے کر دیا اور عمرہ والے ویزا کا صفحہ کھول کر دکھایا جس پر سعودی

سفارت خانہ دہلی کے ویزا آفیسر نے الگ سے ایک سطر عربی میں بڑھا دی تھی کہ پاسپورٹ ہولڈر ہند کی ریاست مغربی بنگال کے وزیر خوراک ہیں۔ یہ اندراج دیکھتے ہی عرب سکیوریٹی افسر کے تیور بدل گئے اور اس نے نرمی سے ہمیں آگے جانے کا اشارہ کیا۔ عہدے کا جادو ہر جگہ اپنا اثر دکھاتا ہے۔وہاں بھی وزیر ہونا امتیاز بن گیا۔ ملّا نے اپنا سامان جلدی جلدی جیبوں میں بھرا اور انگوٹھیاں پہن لیں۔ اس کے بعد مزید کسی الجھن اور رکاوٹ کے بغیر جدہ جانے والے جہاز پر ہم سوار ہو گئے اور ۳۵ منٹ کی پرواز میں جدہ ائیر پورٹ پر اترے۔

جدہ سے عمان کیلئے اردن کا جہاز ۳۱/دسمبر کی صبح ساڑھے سات بجے ہمیں پکڑنا تھا اور دن عمان میں گزار کر رات ۹ بجے کی پرواز سے کلکتہ کیلئے روانہ ہونا تھا۔ اردن کی یہ فلائٹ عمان سے ہر جمعرات کی صبح ٦ بجے کلکتہ پہنچتی ہے اور پھر بنکاک سے کلکتہ آکر سیدھی عمان جاتی ہے۔ واپسی سفر کی سیٹیں اسی میں بک تھیں، جنہیں کنفرم کرالیا گیا تھا۔ انٹر نیشنل پروازوں میں مصیبت یہ ہے کہ ہر ۷۲ گھنٹے پر کنفرم کراتے جاؤ ورنہ سیٹ کینسل ہو جائے گی۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کنفرم سیٹ والا مسافر عین وقت پر نہ آیا اور کوئی خبر بھی نہیں بھیجی تو سیٹ کینسل ہو گی مگر پیسہ نہیں کٹے گا پھر جب چاہے اسی ٹکٹ پر دوبارہ سیٹ کنفرم کرالی جائے۔

باب - ٦

جدہ میں رت جگا

۳۰؍دسمبر کی رات محمد شویز فرید صاحب کے گھر جدہ میں گزاری۔ مغرب کی نماز تو مسجد میں پڑھی تھی، عشاء گھر پر ہی جماعت بنا کر پڑھ لی۔ جدہ سے انگریزی زبان کا اخبار ''سعودی گزٹ'' شائع ہوتا ہے اس کے مینجنگ ایڈیٹر جناب طارق غازی ہیں۔ طارق غازی صاحب نام ور صحافی مرحوم مولانا حامد الانصاری غازی کے صاحب زادے اور حکیم الامت قاری محمد طیب صاحب مرحوم کے نواسے ہیں۔ کئی سال تک کلکتہ میں اخبار ''عصر جدید'' میں ادارت کے فرائض انجام دے کر جدہ جا بسے اور ''سعودی گزٹ'' میں انگریزی صحافت سے وابستہ ہو گئے۔ طارق غازی کہنہ مشق اور باخبر صحافی ہیں۔ عرب ممالک کے حالات نیز عالمی سیاست کے علاوہ اپنے وطن ہندستان کے حالات کی خبر اور فہم رکھتے ہیں۔ ملت مسلمہ ہندیہ کے معاملات پر فکر مند رہتے ہیں۔ ہملوگوں سے ملاقات کیلئے عشاء بعد وہ آگئے تھے۔ کھانا ساتھ ہی کھایا۔ دو صحافی اور ایک سیاسی لیڈر یکجا ہو جائیں اور موضوع گفتگو مشترکہ دلچسپی کا ہو تو باتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ عالم اسلام کے حالات و واقعات پر کچھ دیر گفتگو کے بعد ہندستان کے عام حالات اور خاص کر مسلمانانِ ہند کے حالات و معاملات کا ذکر چھڑ گیا تو باتوں باتوں میں رات بیت گئی اور سحر ہونے کو آئی۔ رات کے پچھلے پہر نیند کا غلبہ تو ہوا مگر کافی کے دور چلتے رہے اور رت جگا ہوتا رہا۔ ہمیں چار بجے صبح ایئرپورٹ کیلئے روانہ ہونا تھا۔ اور ۲/۷ بجے کی فلائٹ عمان کیلئے پکڑنی تھی، ۵ بجے رپورٹنگ ٹائم تھا۔ طارق غازی صاحب تقریباً ۳ بجے رخصت ہوئے۔ برسوں بعد ملاقات ہوئی تھی، پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔

عراق - موضوع گفتگو

طارق غازی صاحب کو معلوم ہوا کہ ہم عراق ہو کر آئے ہیں تو عراق کے مسئلے پر دیر تک گفتگو ہوئی۔ عراق اور دوسرے مسلم ملکوں کے ساتھ امریکہ اپنی اسرائیل نوازی میں جو سلوک اور حرکتیں کر رہا ہے ان پر تبادلہ خیالات ہوا۔ بیچ میں عراق اور ایران کی جنگ کا بھی ذکر آیا۔ اس جنگ کی بنیاد یوں پڑی تھی کہ شاہ کے زمانے میں ایران، امریکہ کے فوجی معاہدوں کا رکن تھا۔ ڈاکٹر مصدق نے برسرحکومت آکر ایرانی تیل کو اینگلو امریکی قبضہ سے نکال کر قومی ملکیت بنا دیا تھا اور شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کو ایران چھوڑنے پر مجبور کیا تھا تب امریکہ نے اپنی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے ذریعہ ایران میں شورش برپا کرائی اور فوج کو مٹھی میں لے لیا کہ وہ ڈاکٹر مصدق کی حکومت کا تختہ پلٹ کر شاہ کو دوبارہ تخت پر بٹھائے۔ ایسا ہی ہوا اور شاہ نے چند سال شان سے حکومت کی۔ اس بیچ ایران کی تیل کی دولت سے امریکن ہتھیاروں کا بہت بڑا ذخیرہ ایران میں ہو گیا تھا۔ جب امریکہ کو شاہ کی ضرورت باقی نہیں رہی تو ایران میں علامہ خمینی کا "اسلامی انقلاب" ہوا اور شاہ کو آخری مرتبہ جلا وطن ہونا پڑا۔ رضا شاہ نے مراکش پہنچ کر پہلا بیان یہی دیا تھا کہ امریکہ کے صدر جمی کارٹر نے نکلوایا ہے۔ علامہ خمینی کے اسلامی انقلاب سے امریکہ کو اسرائیل کیلئے خطرے کی بو آئی تو ضروری ہو گیا کہ ایران کی عسکری قوت توڑ دی جائے اور اس کے پاس خوفناک ہتھیاروں کا جو بھنڈار ہے اسے برباد کیا جائے۔ ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ عراق اور ایران میں جنگ ہو جائے۔ اس جنگ کا سارا خرچ سعودی عرب اور کویت نے اٹھایا، مصر نے ہتھیاروں کی سپلائی میں ہاتھ بٹایا۔ آٹھ سال کی خوں ریز جنگ میں دس لاکھ لوگ مارے گئے۔ ایران کو آخر کار ہارنا پڑا۔ سعودی عرب کا خزانہ الگ خالی ہو گیا۔ جنگ کے بعد عراق فاتح کی حیثیت سے دنیا

میں ابھرا اور بہت بڑی فوجی قوت بن گیا تب اسے بھی ختم کرنا ضروری سمجھا گیا تاکہ اسرائیل کیلئے کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہے۔ ایران کے ساتھ جنگ کے دوران، اسرائیل نے بغداد میں ایٹمی کارخانہ اچانک بمباری کر کے تباہ کردیا۔ خطرہ تھا کہ عراق بدلہ لے گا۔ اسرائیل میں عراق سے لڑنے کی طاقت نہیں تھی یہ ذمہ داری امریکہ نے قبول کی۔ سازش تیار کی گئی اور کویت کے تیل کنوؤں کے ساتھ عراق کے تیل کنویں سے چوری چھپے تیل نکال کر بیچنے کے الزام میں عراق کو بھڑادیا گیا۔ کویت کی تیل چوری پکڑی گئی تو سعودی عرب نے معاوضہ ادا کرنے کے اصول پر مصالحت کرانے کی پیش کش کی۔ کویت دو بلین ڈالر تاوان ادا کرنے پر رضامند ہوا۔ عراق نے تین بلین ڈالر سے کم پر بات ختم کرنے سے انکار کردیا۔ کویت نے آخری جواب دے دیا اور جنگ کی نوبت آگئی۔ بغداد میں امریکی سفیر نے صدر صدام حسین سے مل کر بھڑکایا کہ یہ عربوں کا اپنا اندرونی معاملہ ہے اور عراق نے فوجی کاروائی کی تو امریکہ کو کوئی مطلب نہیں ہوگا۔ صدر صدام حسین بھی چالاک ہیں انہوں نے امریکن سفیر کے ساتھ پوری گفتگو ٹیپ کرلی۔ یہ امریکن جال تھا جس میں امریکن نے کمال ہشیاری سے صدر صدام حسین کو پھانس لیا۔ عراقی فوجیں مارچ کرتی ہوئی کویت میں داخل ہوئیں تو امریکہ نے عراق کے خلاف طبل جنگ بجادیا۔

اس جنگ کے دو مقصد تھے۔ پہلا مقصد تھا عراق کی فوجی طاقت کو ختم کرنا، وہ کام امریکہ نے جنوری ۱۹۹۱ء میں حملہ کر کے کیا اور ابھی تک عراق کے ہتھیاروں کی تلاشی جاری ہے جس کی وجہ سے آئے دن تناؤ پیدا ہوتا ہے اور جنگ کا خطرہ منڈلانے لگتا ہے۔ امریکہ کا دوسرا مقصد تھا صدر صدام حسین کا ہوا دکھا کر پڑوسی عرب ملکوں کو خوف زدہ کرنا تاکہ امریکہ کی فوجیں اپنی سرزمین پر رکھنا اور ان کا خرچ اٹھانا عرب ممالک منظور کریں

یہی ہوا اور ہو رہا ہے۔ ابھی حال ہی میں (دسمبر ۱۹۹۷ء) تہران میں اسلامی کانفرنس ہوئی ہے جس سے امید بندھی ہے کہ ایران اور عرب ملکوں کے حالات اور باہمی تعلقات میں شاید کچھ سدھار پیدا ہوگا۔

طارق غازی اور میری گفتگو میں کلیم الدین شمس صاحب بھی حصہ لے رہے تھے۔ طارق صاحب نے کلیم صاحب سے سوال کیا کہ ہندستان میں الیکشن کے پیش نظر بی جے پی کے برسر اقتدار آنے کے کیا امکانات اور خدشات ہیں تو کلیم الدین شمس صاحب خوب دل کھول کر بولے۔ موضوع بحث یہ تھا کہ کیا مسلمانانِ ہند کو بی جے پی کی کامیابی کے امکان کے مد نظر، بی جے پی لیڈروں سے گفت و شنید کرنا چاہئے؟ میں نے اور کلیم صاحب نے طارق غازی صاحب کو تفصیل سے بتایا کہ ہم نے ۱۹۸۵ء میں مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب کے سامنے تجویز رکھی تھی کہ "نیشنل ڈائیلاگ" (قومی مذاکرات) کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ مولانا علی میاں نے اس تجویز کو پسند کیا تھا۔ پہلا ڈائیلاگ نئی دہلی میں ۴ر مئی ۱۹۸۶ء کو آئی کے گجرال صاحب کی صدارت میں ہوا تھا جس میں علی میاں نے اپنا "پیام انسانیت" کتابچہ پڑھ کر سنایا۔ موقع کی مناسبت سے میں نے بھی اس گفتگو میں حصہ لیا تھا اور نیشنل ڈائیلاگ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد ایک دو نشستیں ادھر اُدھر اور بھی ہوئیں پھر یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ بابری مسجد شہید کئے جانے کے بعد اسی تجویز کی بنیاد پر بعض دوسرے حضرات نے مل بیٹھنے اور مذاکرات کا پروگرام چلایا۔ چند بیٹھکیں ہوئیں مگر بات زیادہ آگے نہیں بڑھ سکی۔ بی جے پی کے لوگ بھی مذاکرات میں بیٹھے تھے۔ بی جے پی کے ساتھ دشواری یہ ہے کہ وہ آزاد پارٹی نہیں ہے، آر-ایس-ایس کا سیاسی بازو ہے اور اس کی نکیل اس کے ہاتھ میں ہے جدھر وہ چاہے موڑ دے۔ ان حالات میں ہندی مسلمان کیا کر سکتے ہیں۔

سعودی عرب سے ہندستانیوں کا اخراج

ملاقات کیلئے جدہ کے چند اور اصحاب بھی آگئے تھے۔ انہوں نے یہ دردناک کہانی سنائی کہ سعودی عرب میں کام کرنے والے جو ساڑھے چار لاکھ لوگ ابھی حال میں ویزا کے سوال پر نکالے گئے ہیں ان میں ہزاروں کی تعداد میں ایسے ہندستانی بھی تھے جن کا کوئی قصور نہیں تھا۔ انہیں بے خطا نشانہ بنایا گیا۔ یہ لوگ باضابطہ ورک ویزا پر سعودی عرب آئے تھے۔ قصور ان کے کفیل (اسپانسر) کا تھا جس نے انہیں ویزا پر تو بلا لیا اور ان سے بھاری رقم پیشگی بھی وصول کرلی مگر جب یہ لوگ سعودی عرب پہنچے تو کفیل کے پاس اپنا کوئی کام نہیں تھا اس نے انہیں کہیں اور کام تلاش کرنے کیلئے آزاد چھوڑ دیا۔ پردیس میں ٹھوکریں کھانے کے بعد لاچاری کے عالم میں ان لوگوں نے بھاگ دوڑ کر کے اور بہت تکلیفیں اٹھا کر کسی جگہ کوئی کام حاصل کرلیا۔ سعودی حکام نے ایسے تمام لوگوں کو پکڑا جن کا کفیل کوئی اور تھا اور وہ کام دوسری جگہ کرتے تھے۔ کفیل تو اپنے ویزا کی رقم وصول کر کے نہال ہو گیا، مصیبت میں پڑا بے روزگار پردیسی۔ سزا تو کفیل کو ملنا تھی کہ جب اس کے پاس کام نہیں تھا تو اس نے ویزا لے کر باہر سے کام کرنے والوں کو کیوں بلایا اور ان سے جو رقم اینٹھی وہ بھی واپس کرائی جاتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ سعودی کفیل تو قصور کر کے بھی مزے میں رہا۔ سزا پائی بے قصوروں نے۔ ویزا پر آنے کیلئے بیروزگار لوگوں نے گھر کا اثاثہ بیچ کر کفیل کی قیمت ادا کی تھی اور جب وہ کسی کام سے لگ گئے تو سعودی حکام نے ان کا اخراج کر کے پھر سے بے روزگار بنا دیا۔ اس کھلی زیادتی اور دھاندلی کے خلاف پریس میں اور سفارتی سطح پر آواز اٹھنا چاہئے تھی مگر نہیں اٹھی۔ جن لوگوں نے ہمیں یہ داستانِ غم سنائی انہوں نے درخواست کی کہ اس اندھیر اور ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں۔ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر جانوروں کی طرح بحری جہازوں

میں بھر کر ہندستان واپس بھیجا گیا۔ پاکستان بنگلہ دیش اور دوسرے ملکوں کے لوگوں کو بھی اسی طرح نکالا گیا۔ نکالے جانے سے پہلے انہیں کچھ دن جیل میں بھی رہنا پڑا۔ خالی ہاتھ آئے تھے اور خالی ہاتھ گئے۔

محفل برخاست

رات کے پچھلے پہر قونصل خانہ کی گاڑی آگئی۔ اس میں ہمارا سامان بھرا گیا اور ہم ایئر پورٹ روانہ ہوئے۔ قونصل خانہ سے ماجد صاحب آگئے تھے۔ انہوں نے رائل جارڈن ایئر لائنز کے کاؤنٹر پر ہمارے سامان کی بکنگ کرائی۔ سامان مجموعی طور سے ۲۰ - ۲۵ کیلو سے زیادہ نکلا، ایئر لائنز والوں نے تھوڑی بحث کے بعد منظور کر لیا کہ اکسٹرا سامان کا چارج نہیں لیا جائیگا۔ ہمارے ساتھ آب زمزم کے پلاسٹک کنسٹر بھی تھے، ہر کنسٹر کا وزن ۱۰ لیٹر تھا۔ وہ فری لانے کی اجازت تھی مگر اسے رجسٹر پیکیج میں نہیں دے سکتے تھے، اپنے ساتھ کیبن میں رکھنا پڑا۔ زمزم کے کنسٹر اٹھائے اٹھائے ہاتھ شل ہو گئے اور انگلیاں سرخ انگارہ ہو گئیں۔ سامان لگیج میں دینے کے بعد معلوم ہوا کہ اب یہ سامان ہمیں عمان میں نہیں بلکہ کلکتہ میں ملے گا۔ اردن کا جہاز مسافروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور ٹھیک وقت پر ساڑھے سات بجے (جدہ ٹائم) پرواز کی۔ دو گھنٹے بعد عمان کے عالیہ انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر جہاز اتر گیا۔ عمان کا وقت جدہ سے ایک گھنٹہ پیچھے تھا۔ عمان کی گھڑیوں میں صبح کے ۸½ بجے تھے۔

تین عرب ملکوں عراق، اردن اور سعودی عرب کا ہمارا سفر جو کلکتہ سے ۱۹ر دسمبر ۹۷ء کو دہلی ہوتے ہوئے شروع ہوا تھا، اس کا اختتامی مرحلہ تھا۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۷ء کی رات ۹ بجے اردن کی فلائٹ ہمیں لیکر کلکتہ جانے والی تھی۔ عمان ہم ایک بار پھر پہنچ گئے تھے۔ عمان میں یہ ہمارا تیسرا ورود تھا۔ عراق جانے کیلئے ۲۰ر دسمبر کی دوپہر دہلی سے عمان پہنچے تھے، رات

عمان میں گزار کر دوسری صبح ۲۱؍دسمبر کو بغداد کیلئے روانہ ہوئے اور ٹیکسی کے ذریعہ ۹۰۰ کیلو میٹر فاصلہ سڑک سے طے کر کے رات ہوتے بغداد میں "الرشید ہوٹل" پہنچے تھے۔ اردن کے دہلی سفارت خانہ نے ہمیں جو ویزا دیا تھا اس میں درج تھا کہ عمان میں ہم دو مرتبہ داخل ہو سکتے ہیں۔ ایک داخلہ تو ۲۰؍دسمبر کو ہوا، دوسرا داخلہ ۲۵؍دسمبر کو ہوا جب ہم جدہ جانے کیلئے بغداد سے عمان آئے۔ ۳۱؍دسمبر کو جدہ سے عمان میں تیسرا داخلہ ہوا جس کیلئے ویزا نہیں تھا۔ ایسے مسافروں کو جو ائیر لائنز سے ٹرانزٹ میں ہوں ائیر پورٹ پر روک لیا جاتا ہے یا ہوٹل میں رکھ دیا جاتا ہے۔

جدہ جانے سے پہلے ہم عمان میں اپنے سفارت خانہ کے پروٹوکول آفیسر مسٹر میتھیو سے کہہ گئے تھے کہ اردن کی وزارت خارجہ کو خط لکھ کر تیسری انٹری کیلئے بھی ویزا حاصل کرلیں۔ جدہ سے عمان پہنچے تو ائیر پورٹ پر مسٹر میتھیو اور ڈرائیور فاروق موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ویزا کا انتظام نہیں ہو سکا اور اب ہمیں اردن ائیر لائنز کی طرف سے ائیر پورٹ ہوٹل میں دن بھر "نظر بند" رہنا پڑے گا اور ہوٹل سے باہر ہم کہیں آجا نہیں سکتے۔ یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ پورا ایک دن برباد جائے گا۔ اردن کے کچھ تاریخی مقامات دیکھنا چاہتے تھے اور بحر مردار بھی دیکھنے کی خواہش تھی جو روئے زمین پر ایک عجوبہ ہے۔

بیت المقدس بھی عمان سے قریب ہے۔ مگر وہاں جانے کا خیال اس لئے چھوڑ دیا کہ عراق نے جو ویزا جاری کیا تھا اس کے ساتھ پاسپورٹ پر اس عبارت کی مہر لگا دی تھی کہ اسرائیل کے علاقہ میں داخل ہونے سے ویزا آٹومیٹک طور پر کینسل ہو جائے گا۔ یہ بات پہلے سے بھی معلوم تھی کہ ایک مرتبہ پاسپورٹ پر اسرائیل کا ویزا لگ جائے اور انٹری کا اندراج ہو جائے تو پھر کوئی عرب ملک ویزا نہیں دیگا۔ ائیر پورٹ سے قریب ہی عالیہ

ہوٹل میں ہم پہنچا دیئے گئے۔ ہوٹل منیجر نے کہا اس کے پاس کمرے کم ہیں، تین کے بجائے صرف دو کمرے دے سکتا ہے۔ ہم دو کمرے میں مقیم ہو گئے۔ ڈرائیور فاروق نے کچھ دیر بعد آکر خبر دی کہ اس نے اپنے طور پر بہت کوشش کی مگر ہوٹل سے باہر جانے کی اجازت نہیں ملی، اب ہمیں شام تک ہوٹل کے کمروں میں رہنا ہوگا۔ اور یہاں سے رات میں سیدھے ایئر پورٹ جانا ہوگا۔ فاروق کی یہ غلط بیانی ہمیں مہنگی پڑی تھی، اس نے ہمیں چکمہ دیا جس کا بھانڈا بعد میں مگر بہت دیر سے پھوٹا۔ وہ روزے سے تھا اور اپنی بیوی کے پاس جلد گھر جانا چاہتا تھا، اسے یہ منظور نہیں تھا کہ ہمیں لے کر ۶۰ کلو میٹر دور بحر مردار جائے اور واپس آئے۔ اس نے یہ چال چلی اور ہمیں بیوقوف بنا کر چمپت ہو گیا۔

بحر مردار کی سیر

مایوس ہو کر اپنے کمروں میں ہم لیٹ گئے۔ جدہ میں رات بھر کے جاگے ہوئے تھے، گھوڑے بیچ کر گہری نیند سوئے۔ چند گھنٹے بعد آنکھ کھلی تو سوچا نیچے ریسپشن لابی میں جا کر ٹہلیں اور دن بھر کی قید سے جی بہلائیں، نیچے گئے، ہوٹل سے باہر جانے سے کسی نے نہیں روکا۔ ہم لوگ ہوٹل کے باہر باغیچے میں آگئے۔ باہر بہت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سردی لگنے لگی تو ہوٹل کے اندر واپس آئے۔ پھر ایک طرف نگاہ اٹھی تو دیکھا کہ ایک کیبن میں رائل ٹورسٹ آفس کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ یوں ہی ٹہلتے ہوئے وہاں چلے گئے اور جو صاحب اندر موجود تھے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگ بیت المقدس اور بحر مردار سیاحوں کو لے جاتے ہیں؟ ٹورسٹ افسر نے اثبات میں جواب دیا۔ ہم نے کہا، ہم ہندستانی ہیں اور آج رات اپنے ملک چلے جائیں گے، حسرت رہ گئی کہ بیت المقدس اور بحر مردار نہیں جا سکے۔ ٹورسٹ افسر نے کہا، اس میں کوئی دشواری نہیں، اپنے پاسپورٹ دیجئے۔ ہم نے کہا،

پاسپورٹ تو ائیر پورٹ پر امیگریشن والوں نے رکھ لئے ہیں اور رات میں دیں گے۔ افسر نے کہا کوئی بات نہیں آپ یہ فارم بھر دیں تو ہم ابھی انتظام کرتے ہیں۔ مگر ابھی دن کے تین بج رہے ہیں اور ۵ بجے سورج غروب ہو جائے گا، اب بیت المقدس جانا تو ممکن نہیں البتہ بحر مردار جا سکتے ہیں۔ وہ بھی صرف گھنٹہ بھر کیلئے۔ اس نے بتایا کہ فی کس ۲۵ ڈالر کرایہ ٹیکسی آمد و رفت لگے گا۔ یہ کام اتنا آسان ہے، اب پتہ چلا۔ پاسپورٹ کے بغیر بھی ٹورسٹ فارم بھر کر پرمیشن کرالی جاتی ہے اور اردن و اسرائیل کے بیچ سفر کی اجازت مل جاتی ہے۔ پاسپورٹ پر کوئی انٹری نہیں ہوتی۔ جس سے پکڑ ہو کہ اسرائیل کا دورہ کیا ہے۔ سیاحوں سے ڈالر کمانے کا یہ "چور دروازہ" کھلا رکھا گیا ہے۔ سرکاری منظوری سے سفر ہوتا ہے اور اس طرح سیاح دونوں جانب آتے جاتے رہتے ہیں۔ بیت المقدس جانا ہو تو صبح سے شام تک پورے دن کا پروگرام ہوتا ہے۔

ہم نے جلدی سے فارم بھرا اور ٹورسٹ افسر کو تین آدمیوں کیلئے ۷۵ ڈالر ادا کئے۔ وہ فوراً اپنی کار میں بیٹھ کر ائیر پورٹ روانہ ہو گیا کہ امیگریشن محکمہ سے فارم پر اجازت نامہ لے آئے۔ ائیر پورٹ قریب تھا، دس منٹ میں افسر کام کر کے آگیا۔ ۷۵ ڈالروں کی گرمی نے اس کے اندر پھرتی اور مستعدی بھر دی تھی، دوڑا دوڑا پھر رہا تھا اور ہمارے لئے کار کا بندوبست کرنے میں مصروف تھا۔ مگر اسی وقت بوہروں کا ایک گروپ آگیا جو ہوٹل میں ٹھہرا تھا، وہ گروپ بھی ایسے ہی ٹورسٹ فارم پر اجازت لے کر شہر کی سیر کو جا رہا تھا، اس کیلئے بس کا انتظام کیا گیا۔ اس چکر میں آدھا گھنٹہ دیر ہو گئی اور چار بجے ٹیکسی ہمیں لے کر بحر مردار کی طرف تیزی سے روانہ ہو گئی۔ کچھ دور چلنے کے بعد پہاڑی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہاڑوں سے دھوپ رخصت ہو رہی تھی اور سورج اپنی آخری کرنیں چٹانوں پر بکھیر رہا تھا جس سے نظارہ بہت دلکش ہو گیا تھا۔

ٹیکسی کبھی پہاڑی راستے کی بلندی کو طے کرتی، کبھی پہاڑی سے نیچے اترتی۔ ڈرائیور ہوشیار اور خوش مزاج تھا۔ بحر مردار ایک بہت بڑا میلوں لمبا چوڑا جھیل نما سمندر ہے۔ یہ دنیا کا سب سے نیچا علاقہ ہے اور اس کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے۔ راستے میں ایک جگہ پتھر کا نشان نصب ہے جس پر سطح البحر لکھا ہے یعنی وہ جگہ اور سمندر کی سطح برابر ہے لیکن بحر مردار جسے عربی میں بحر المیت کہتے ہیں، اس جگہ سے بھی چار سو میٹر سطح سمندر سے نیچے ہے۔ گاڑی پہاڑی راستوں سے گزرتی ہوئی نیچے تحت السرئ میں چلی جارہی تھی اور پھر اچانک سامنے بحر مردار تھا۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس سمندر میں کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ عام سمندر کا پانی کھاری ہوتا ہے مگر بحر مردار کا پانی چار گنا زیادہ نمکین ہے، اتنا تیز نمکین کہ زبان پر پانی رکھو تو زبان جھن جھنا اٹھے۔ یہ سمندر نمک اور دوسری صحت بخش معدنیات سے بھرا ہوا ہے۔ جس سے مختلف قسم کی اشیاء تیار کر کے بازار میں فروخت کی جاتی ہیں اور انہیں صحت کیلئے مفید بتایا جاتا ہے۔ عمان ائیر پورٹ کی فری ڈیوٹی شاپ میں ایک جگہ ایسی کئی اشیاء شوکیس میں سجی دیکھیں جو بحر مردار کے پانی سے تیار کی گئی تھیں۔ بحر مردار کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی ڈوب نہیں سکتا۔ سمندر میں کوئی بشر چت لیٹ جائے تو نمک کا بھاری پانی ڈوبنے نہیں دیگا۔ مخملی گدے کی طرح آرام سے پانی پر لیٹے لیٹے اخبار پڑھا جا سکتا ہے۔ یہاں سیاح بحر مردار میں نہانے کیلئے آتے ہیں۔ اس جگہ ہیلتھ سنٹر، ریسٹ ہاؤس اور ایک ریسٹورنٹ بھی بنا ہوا ہے۔

بحر مردار کے کنارے ہم جس وقت پہنچے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ یہاں غروب آفتاب کا منظر انتہائی دلفریب اور قابل دید ہوتا ہے۔ سامنے پہاڑوں کے پیچھے ہی بیت المقدس ہے جہاں قبلہ اول مسجد اقصیٰ ہے۔ اس پر

اسرائیل کا قبضہ ہے۔ پہاڑ کے پیچھے شام کی شفق سے آسمان گلنار ہو رہا تھا۔ بیت المقدس کی کسی مسجد کا مینار نظر آرہا تھا۔ ذرا دیر میں روزہ کھولنے کا وقت ہو گیا، سامنے ریسٹورنٹ میں کافی لوگ جمع تھے مگر چائے نہیں ملی کیونکہ وہ لوگ بھی روزہ دار تھے اور افطار کر رہے تھے۔ اس جگہ پانی بھی دستیاب نہیں تھا، پانی اور چائے ہوٹل واپس آکر میسر ہوا۔ ڈرائیور بھی جلدی کر رہا تھا کہ شام ہو گئی ہے اور سورج غروب ہونے پر کسی کو بحر مردار میں اترنے اور ساحل پر جانے کی اجازت نہیں ہوتی، لہٰذا ہم لوگ اب واپس چلیں۔ اندھیرا بڑھتا جارہا تھا، بحر مردار میں اترنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ ایک چلّو میں تھوڑا سا پانی لے کر ذائقہ چکھا تو نمک کی تیزی کا اندازہ ہوا کہ ناقابل برداشت ہے۔ بحر مردار کے کنارے سے میں نے سرخ رنگ کا ایک پتھر یادگار کے طور پر اٹھا لیا اور ساتھ لے آیا۔ ہوٹل سے جاتے ہوئے ہم ایک سلپ اپنے کمرے کے دروازے پر ہینڈل میں پھنسا گئے تھے جس پر مسٹر میتھیو کیلئے اطلاع تھی کہ ہم بحر مردار جا رہے ہیں اور ۶ بجے شام تک واپس آجائیں گے، ہمارا انتظار کریں۔ مسٹر میتھیو ہم سے پہلے ہوٹل آگئے اور ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ وہ بھی شرمندہ تھے کہ جو انتظام انہیں کرنا تھا وہ نہیں کر سکے اور ہم نے خود کیا۔ ڈرائیور فاروق جب آیا تو شرم سے آنکھیں نہیں ملا رہا تھا اس کی غلط بیانی سے ہمارا دن خراب ہوا اور بیت المقدس جانے کا موقع ہم نے گنوا دیا۔ بحر مردار دیکھنے سے بھی ہم محروم رہ جاتے اگر اتفاقاً یہ دریافت نہ کرتے کہ ٹورسٹ آفس کے ذریعہ جانے میں کوئی قباحت اور رکاوٹ نہیں ہے۔ فاروق نے روزے کی حالت میں جھوٹ بولا اور ہمیں دھوکا دیا۔ اس کا ہمیں بہت رنج ہوا۔ کلیم الدین شمس صاب کی عادت ہے کہ جہاں جاتے ہیں اور جس سے جان پہچان ہوتی ہے تو اسے فوراً کلکتہ آنے کی دعوت اس پیشکش کے ساتھ دے دیتے ہیں کہ آپ ہمارے مہمان ہوں گے۔ عمان میں فاروق ڈرائیور سے ملاقات

ہوتے ہی پہلے دن اسے دعوت دے دی کہ اپنی بیوی کے ساتھ کلکتہ گھومنے آئے۔ ان کا مہمان ہوگا۔ فاروق نے اتنا بڑا جھانسہ دیا تو میں نے کلیم صاحب سے پوچھا کہ اب کیا خیال ہے، فاروق کے ہندستان آنے کی دعوت قائم ہے یا منسوخ سمجھی جائے؟ کلیم صاحب بھی بیت المقدس نہ جانے کی وجہ سے بہت دلگیر تھے۔ قبلہ اول میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ مولانا محمد علی جوہر کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کی آرزو تھی۔ غم میں ڈوبی ہوئی مدھم آواز میں بولے۔ "زبردست دھوکا دیا ہے" مگر اب کیا ہو سکتا تھا، بیت المقدس جانا قسمت میں نہیں تھا، نہیں جا سکے۔ فاروق بہانہ بن گیا۔ یہ قلق ہمیشہ رہے گا۔

ہوٹل سے سات بجے تک ایئر پورٹ پہنچنا تھا۔ سامان تو کچھ ایسا تھا نہیں۔ ہینڈ بیگ اٹھایا، زمزم کے کنستر سنبھالے اور ایئر پورٹ کیلئے روانہ ہو گئے۔ یہاں ہمارے پاسپورٹ واپس ملے اور انتظار گاہ میں بٹھا دیئے گئے۔ ۹ بجے سے کچھ قبل جہاز میں جانے کی پکار ہوئی۔ بنگلہ دیش اور سیلون کے نوجوان ورکر بڑی تعداد میں ہم سفر تھے۔ یہ لوگ ایک طرح کے کوٹ بوٹ اور جینس پہنے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کھلاڑیوں کی کوئی ٹیم ہو۔ آدھا جہاز ان سے بھر گیا۔ عرب ملکوں میں رمضان کی تعطیل ہوتی ہے۔ یہ لوگ چھٹی منانے اپنے وطن جا رہے تھے۔

جہاز اردن کے وقت کے حساب سے رات ۹ بجے اڑا (اس وقت ہندستان میں رات کے ۱۲½ بجے تھے) صبح ۶ بجے کلکتہ ایئر پورٹ پر اتر گیا۔ پوری رات جہاز میں سیٹ پر بندھے بندھے بیٹھنا انتہائی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ ایسے لمبے سفر میں پاؤں لٹکائے رہنے سے پنجوں پر ورم آجاتا ہے۔ جہاز میں کھانا اچھے قسم کا نہیں تھا، جو کچھ ملا وہ بھی میں نے بہت کم مقدار میں کھایا کہ رت جگے میں ہضم کرنا دشوار ہوگا۔ اس پر بھی شب بیداری کے

ساتھ طویل فلائٹ سے طبعیت میں بے چینی رہی۔ صبح کلکتہ ہوائی اڈے پر اترے تو بہت کسل مندی تھی اور جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ ہوائی اڈے پر کافی لوگ کلیم الدین شمس صاحب کو لینے آئے تھے۔ عمرہ کے مبارک سفر سے واپسی پر پھولوں کے ہاروں سے خیر مقدم کیا گیا۔

ہزاروں کیلو میٹر کا تین ملکوں کا سفر کر کے وطن بخیر واپسی اور گھر پر سب کو خیر و عافیت سے پاکر اللہ کا شکر ادا کیا۔ کئی راتوں کی جگائی اور سفر کی تکان نے اب رنگ دکھایا۔ دو دن اور دو رات میں سوتا رہا۔ کلیم صاحب میں "اسٹیمنا" (توانائی) زیادہ ہے اس لئے نہا دھو کر اپنے سکریٹریٹ پہنچ گئے اور وزارت کا کام سنبھال لیا جو دو ہفتوں سے چھوٹا ہوا تھا۔

ہمارے سفر کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ تین ملکوں میں جو کچھ دیکھا اور سنا، آج بالکل خواب سا لگتا ہے۔ یہ سفر نامہ لکھتے وقت یادیں، ذہن کے پردے پر پرچھائیں بن کر آتی اور گزرتی رہیں۔ حافظے میں جو کچھ محفوظ رہا اور یاد آتا گیا اسے قلم بند کردیا اور اس سفر نامے میں چند ضروری اضافے جا بجا کر دیئے اور اب یہ کتابی صورت میں قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلاّ بِا للّٰهِ العَظِيْم.

بغداد سے مدینہ منورہ تک

تصنیف

احمد سعید ملیح آبادی

سفرنامہ اردن، عراق اور سعودی عرب

دسمبر ۱۹۹۷ء تا جنوری ۱۹۹۸ء
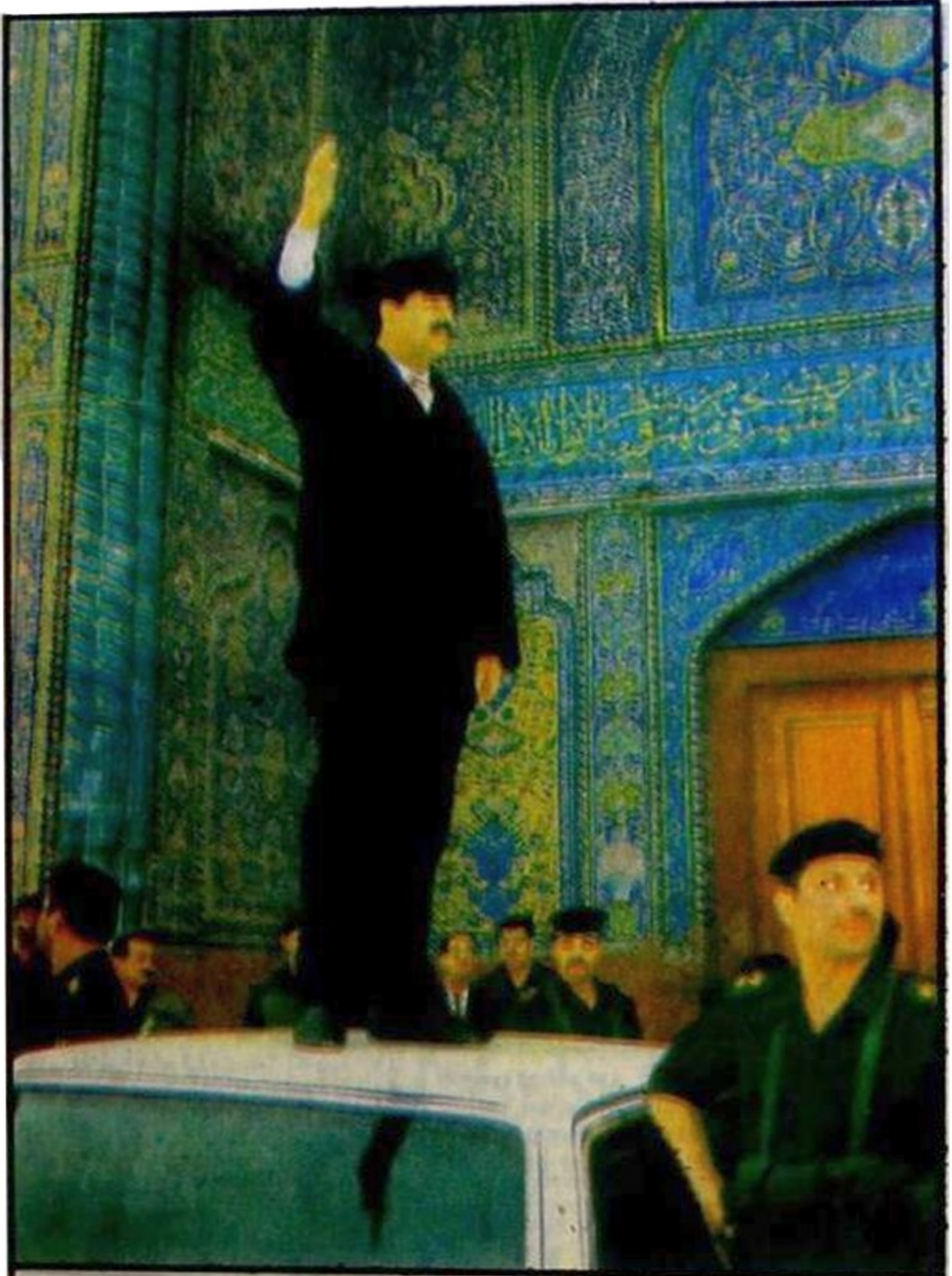
عراق کے صدر صدام حسین نے نجف میں حضرت علیؑ کے روضے پر حاضری دی
اور زائرین سے اپنے مخصوص انداز میں خطاب کیا۔

Published by Ahmad Saeed Malihabadi
from 25, Eden Hospital Road, Calcutta-700073